ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

جولائی 2024ء - ذوالحجہ 1445، محرم الحرام 1446ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 07 | جولائی 2024ء | جلد 32

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہر چہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف ومنقبت	ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری	4
2	گفتنی وناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	5
3	تبصرہ وتذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	10
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد خان	15
5	حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (منقبت)	شاہ انصار الہ آبادی	19
6	سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ	عبد المجتبیٰ رضوی	20
7	گلہائے عقیدت بحضور سید الشہدا رضی اللہ عنہ (منقبت)	پروفیسر محمد حسین آسی	26
8	قرآن حکیم کی روشنی میں بارگاہِ الٰہی کے آداب	ملک محبوب الرسول قادری	27
9	سیدنا امام حسین علیہ السلام اور کربلا	آصف بلال آصف	29
10	سنابلِ نور	سید ریاض حسین شاہ	31
11	ذبحِ عظیم (منقبت)	محمد سعید احمد بدر قادری	32
12	مقام سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ	ماسٹر احسان الٰہی	33
13	سیدنا بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی	35
14	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	37
15	تلاوتِ قرآن کے آداب	محمد صدیق	40

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

500 روپے

جاز کیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس : ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ جو حسنِ خیال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تیرا فیضِ جمال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جس میں جو بھی جہاں بھی خوبی ہے
سب تمہارا کمال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تیری صورت نے نور بانٹا ہے
یہ جو حسنِ خصال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یہ جو دنیا میں سچ کی دولت ہے
تیرا صدق مقال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یہ جو تاروں میں جگمگاہٹ ہے
تیری گردِ نعال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تیری راہوں کا ایک اک ذرّہ
جیسے سورج مثال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
یہ جو بٹتا ہے دونوں عالم میں
تیرا جود و نوال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
آب زم زم ہو یا کہ کوثر ہو
یہ لعاب زلال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کوئی رحمت کی اک نظر ڈالیں
غم سے امت نڈھال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سب کے ہاتھوں میں تیر دیکھے ہیں
تیری رحمت ہی ڈھال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کب اٹھیں گے عروج کی جانب
کب سے حائل زوال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تیرا نوری بھی کوئی نعت کہے
بن عنایت محال ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چراغ

فراز نیزہ پہ سر ہیں بنے بقا کے چراغ
ہوئے ہیں خون سے روشن رہِ وفا کے چراغ

یہی ہے فیصلہ ربّ کا نہیں ہواؤں میں دم
بجھا سکیں گی ہوائیں نہ کربلا کے چراغ

ہوا و حرص کے بندے کریں جو جی چاہے
بجھا چکے ہیں وہ کب سے سبھی حیا کے چراغ

ڈرائے مجھ کو ہوا کے نہ تیوروں سے کوئی
لڑیں گے آخرِ شب تک مری انا کے چراغ

میں مر بھی جاؤں تو لفظوں میں روشنی ہوگی
صدا بہ صحرا نہیں ہیں مری صدا کے چراغ

اگرچہ راہ میں آئے ہزار تاریکی
چلے چلو اے رفیقو لیے رجا کے چراغ

رہے گی تا بہ ابد ہی یہ چپقلش جاری
کہیں پہ مکر کی ظلمت کہیں صفا کے چراغ

مرے غنیم سے کہہ دو کہے وہ جو بھی کہے
مرے لبوں پہ سجیں گے یہی دعا کے چراغ

کسی بھی اہلِ جفا کا مجھے ہو خوف تو کیوں
جلائے رکھتا ہوں دل میں سنو وفا کے چراغ

کیے ہیں آلِ علی نے جو ہر زما کے چراغ
غریب و عاجزو ماندہ ہوں گرچہ میں نوری
رکھیں گے قبر بھی روشن سدا ثنا کے چراغ

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاروان زندگی

کاروان زندگی پوری سرعت کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ وقت پوری رفتار کے ساتھ عمر سوزی اور تاریخ سازی کا عمل جاری کیے ہوئے ہے۔ انسانی کارواں زمین کی بوجھل اور مضبوط تہوں تلے دبتے جارہے ہیں ''سائل درکنار'' زندگی زندہ انسانوں کو مردہ کرنے پر تلی کھڑی ہے۔ دامن حیات بظاہر آباد دکھائی دیتا ہے۔

رونقیں ہیں چہل پہل ہے، مادی لحاظ سے ترقی ہے اور عروج ہے۔ رینگتے وجود دوڑتے ہیں اور دوڑتے قافلے اڑتے ہیں۔ تغیر و تبدل' ترقی و ارتقاء، بھاگ دوڑ، کمند تسخیر کی بے تابیاں، دریاؤں، فضاؤں سبھی کو پریشان کیے ہوئے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب بھی شاید ابن آدم کے مضبوط عزائم کی یلغار سے بچنے کی فکر میں ہیں۔ راتوں کا لرزتا سکوت اور دنوں کے بانکے اجالے مصنوعی انسانی اہتمامات کی گود میں دم توڑ رہے ہیں۔

مادی عروج اور ترقی کے اس لرزہ فگن دور میں مسلمان کہاں کھڑے ہیں ان کی صفوں میں اتفاق و اتحاد کی صورت کیا ہے؟ ان کے ہاں محبت و تعلق کے جذبے کیسے ہیں؟ عالم رنگ و بو کی قیادت اس وقت کس کے ہاتھ میں ہے؟ یہ سب سوالات ان سینوں میں بے تابی پیدا کر رہے ہیں، جن کی خواہش اور آرزو اس گیتی حیات میں عزت و آبرو کی زندگی گزارنا ہے۔ زبوں حالی کی اس یاس انگیز کیفیت میں مسلمانوں کو بے شک سوچنا چاہیے کہ وہ رود باری ہمارا مقدر کیوں بن چکی ہے اور ''بین الاقوامی'' سطح پر مسلمان فتنوں کا شکار کیوں ہیں۔ ہسپانیہ اور بغداد کے دردافزا مقامات مرور زمانہ کی وجہ سے

فراموش بھی کر دیے جائیں، تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ روس نے کس مکر اور چالبازی کے ساتھ مسلمانوں کی نوریاستوں کو اپنا باج گزار بنا کر وہاں کے رہنے والوں پر ظلم و استداد کی چکیاں کسیں، قبرص، کشمیر، فلسطین اور اری ٹیریا میں مسلمانوں کے خون کو کس قدر سستا سمجھا گیا۔

بھارت کی متعصابہ سوچ نے مسلمانوں کو کس بے دردی کے ساتھ سفاکی کا نشانہ بنایا گویا عالمی سطح پر مسلمانوں کو ذلت کا ہار پہنانے کی سازشیں ہوئیں جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے اپنے لائق غیور اور عظیم اسلاف کے روشن کارناموں کو بھی دھول دار کیا۔۔۔۔!!!

ہمارے خیال میں مسلمانوں کے خلاف اس وقت دو ذہن پوری سرعت اور تیزی کے ساتھ کام کر رہے ہیں ایک یہود اور دوسرا عیسائی۔ یہی وہ دو قومیں تھیں جن کی چالبازیوں سے رسالت مآب ﷺ نے اُمت مسلمہ کو ہمیشہ متنبہ رکھا۔ یہود نے مسلمانوں پر منظم نظریاتی اور اقتصادی حملے کیے اور عیسائیوں نے دوستی اور خیر سگالی کے نام بدتمیز کلچر مسلمانوں کی نئی نسلوں میں سرایت کرنے کی کوشش کی۔ نظریاتی، اقتصادی اور تہذیبی دھوکہ بازیوں کے ساتھ ساتھ عسکری اور فوجی نوعیت کے حربے بھی استعمال کیے۔ روس کی اشتراکیت یہودی ذہن کی پیداوار تھی اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام حکومت عیسائیوں کا اختیاری دھوکہ تھا۔ امریکہ اور روس دو ملک نہیں دو ذہن ہیں، ایک عیسائیوں کے مقاصد کو پورا کرتا ہے اور دوسرا یہود کے ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں ایک ہی تنے سے پھوٹنے والی یہ دو شیطانی شاخیں ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف ان کے باطنی بغض کو سمجھنے کے لیے یہ کافی نہیں کہ افغانستان کے اندر جب مجاہدین کی جنگ نتیجہ خیز ہونے لگی تو مذکورہ دونوں ذہن پوری ہم آہنگی کے ساتھ اسلامی حکومت کے قیام کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنے لگ گئے۔

مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی بہت سی سازشیں کامیاب ہوئیں، لیکن سب سے زیادہ ظلم یہ ہوا کہ مسلمان اپنی سوچ میں کشادہ ظرف ہو گئے۔ مسلمان اپنا تہذیبی ورثہ ضائع کرتے چلے گئے اور یہود و نصاریٰ روایت پسندی سے نکل کر روایت پرستی کے دائروں میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں دنیا میں برو احسان کو جو عظیم انقلاب بپا ہوا تھا اور لاکھ ہا عیسائی دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہوئے تھے، یہود و نصاریٰ اس کا انتقام لینے لگ گئے۔

ہمارے خیال میں مسلمانوں کے لیے اس وقت صرف دو راستے ہیں: عزت کی زندگی یا عزت کی موت۔

بین الاقوامی انقلاب کے لیے مسلمانوں کے پاس قربانی کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ رسول پاک ﷺ سے دوستی کا سلیقہ بھی دیا اور دشمن کی پہچان بھی بتائی، مسلمان جب تک دشمن کو دشمن نہیں سمجھتے اور یہود و نصاریٰ کے اقتصادری اور نظریاتی حربوں کے مقابلہ میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ پر اپنا ایمان اور ایقان مضبوط نہیں کرتے، ایام ذلت کو تاریخ عزت سے نہیں بدلا جا سکتا۔

ہمیں پہچاننا ہوگا کہ دوست کون ہے اور دشمن کون۔۔۔۔!

ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ایمان کیا ہے اور کفر کیا۔۔۔۔!

ہمیں جاننا ہوگا کہ راہ نور کون سی ہے اور طریق نار کون سا۔۔۔۔۔!

ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ رحمن محبت کے لائق ہے یا شیطان۔۔۔۔۔!

ہمیں ثابت کرنا ہوگا کہ زندگی لذت رکھتی ہے یا موت۔۔۔۔۔!

مسلمانو!

تم جانتے ہو کہ تمہاری صفوں میں اتحاد کیوں نہیں۔۔۔۔۔؟

تمہیں علم ہے کہ تم پر مفاد پرست حاکم کیوں مسلط ہیں۔۔۔۔۔؟

کیا تم نے کبھی سوچا کہ۔۔۔۔۔؟

ظلم و بربریت کا نشانہ مسلمان کیوں بنتے ہیں

فحاشی و عریانیت کا سیلاب مسلمان ملکوں کو اپنی لپیٹ میں کیوں لے رہا ہے

شرافت اور نیکی کی مسندیں کیوں اجڑ رہی ہیں

مادہ زہر ہلاہل ہونے کے باوجود میٹھا کیوں لگ رہا ہے

اسلام کو بنیاد پرستی کا طعنہ کیوں دیا جا رہا ہے

عیسائیوں کا مذہبی رہنما لارڈ اور مسلمانوں کا دینی راہنما ملا کیوں ہے

عیاشی، دانش مندی و دانائی اور دینی سادگی و لگن

دقیانوسیت کیوں ہے

اس لیے کہ طاغوت یہودی، عیسائی، ہندو اور ان کی معنوی اولاد قادیانی مفاد پرست حاکم، بے نکھرے جامعات، دھلے سچے ثقافتی جوڑ، بے دین ادبی ادارے، سماجی فرقے، ٹولے اور زنگ آلودہ ذہن کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔

اس موقع پر ہماری دعوت تنگ نظری، خود پرستی اور صرف اور صرف اپنے دینی مفاد کا تحفظ ہے ایسی تنگ نظری اور تعصب جس میں مسلمان صرف مسلمان ہونے کے ناطے سوچیں۔ مسلمان صرف مسلمان ہی کو پسند رکھیں صرف مسلمانوں کو ہی دوست رکھیں۔ مسلمانوں کی یہ اجتماعی تنگ نظری کفر کا مزاج درست کر سکتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی و عروج مسلمانوں کی اسی سوچ کا رہین منت ہے۔ مسلمان کسی بیساکھی کے سہارے منزل آشنا نہیں ہو سکتے، شاید اسی عظیم ضرورت ہی کے تحت اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا تھا:

وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۳ (ہود:113)

''اور نہ جھک پڑو اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا وگرنہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا

تمہارا کوئی کارساز نہیں پھر تمہاری مدد نہ ہوگی''۔

مسلمانوں کے میلان ومحبت کا مرجع صرف اللہ اوراس کے رسول کی ذات ہوتی ہے۔مسلمان ان محرکات سے بچتے ہیں جن سے عشق رسول کے سوتے خشک ہوتے ہوں اوردشمنان خدا کی فاسداغراض پوری ہوتی ہوں۔ مسلمان طبعاً پسند نہیں کرتا کہ اہل جاہلیت کے شعار زندہ ہوں اورفطرت سلیم مسخ کی جائے۔مسلمان دوستی اوردشمنی کا پیمانہ صرف ایک ذات کوتصور کرتا ہے۔

رسول پاک ﷺ سے مسلمان کاتعلق ایسے ہوتا ہے۔

''شاخ گل میں جس طرح بادسحرگاہی کانم''

فتنوں کی دبیز تاریکی اوردین دشمنی کی اتھاہ ساہیوں میں مسلمانوں کے پاس وہ سراج منیر موجود ہے جس کی روشن کرنیں مقدر کی سیاہیوں کواُجالوں میں بدل سکتی ہیں انسان خود پرستی کے تنگ دائروں سے نکل کرخدا پرستی کی کھلی فضامیں آسکتا ہےلیکن اس عظیم مقام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بقول ایک مستشرق کے مسلمانوں کوایک عظیم جنگ لڑنی ہوگی۔

گویااب وقت ہے کہ مسلمان سوچیں اورحالات زمانہ کوسمجھنے کی کوشش کریں۔

مسلمانو!

تمہیں ناموس رہبر ﷺ کی قسم

زلف پیغمبر ﷺ کا واسطہ

دیکھو!

افق تاافق۔۔۔۔۔فلک تافلک

کون ہے تمہارا؟

اورکس کے ہوتم

یہ یہود ونصاریٰ

دشمن ہیں سب

دیکھو!

یہ ظلم کے خوگرکوے اورچیلیں

تمہیں تم سے بیگانہ کررہے ہیں

یہ سیاہیوں کے بپھرے دریا

تمہیں غرقاب کرنے کے درپے ہیں

تمہارا ایمان ۔۔۔۔تمہارا ایقان ۔۔۔۔تمہاری دولت ۔۔۔۔تمہاری عزت ۔۔۔۔۔

تمہاری کشت ۔۔۔۔تمہارا دشت ۔۔۔۔تمہاری معراج ۔۔۔۔تمہاری اعراج ۔۔۔۔۔

ان کو پسند نہیں

نہ یہ ہمارے ہیں اور نہ ہم ان کے

ہم سب بکے ہیں دست مصطفیٰ پر

ہماری زندگی مصطفیٰ کے لیے اور ہماری موت مصطفیٰ کے لیے

جو مصطفیٰ کا ہے وہ ہمارا ہے

اور جو مصطفیٰ کا نہیں وہ ہمارا نہیں ہے۔

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 12 تا 17 تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾ وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاۡتِيٰنِهَا مِنۡكُمۡ فَاٰذُوۡهُمَا ۚ فَاِنۡ تَابَا وَاَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۷﴾

''اور تمہارے لیے نصف ہے اس کا جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہو اگر ان کی اولاد نہ ہو، ہاں اگر ان کی اولاد موجود ہو تو پھر تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے بعد وصیت کے پورا کر لینے کے جو وصیت وہ کر جائیں یا بعد قرضہ کے اور ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہاری وصیت جو تم کر گئے ہو چکا لینے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہے اور اگر ہو مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی ہے کہ نہ اس کے اصول ہوں اور نہ فروع اور اس کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیّت کے پورا کرنے کے جو وصیّت کی جائے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد بغیر ضرر پہنچائے، یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حلیم ہے، یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے بڑھ جائے گا وہ اسے آگ میں داخل کرے گا جبکہ اس نے ہمیشہ اس کو اسی میں رکھنا ہے اور ایسے شخص کے لیے ذلیل کر دینے والی سزا ہوگی اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحاشی کا ارتکاب کرے تو تم ان پر اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ، اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں روک لو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر فرما دے اور تم میں سے جو دو ایسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں ایذا پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو درست کر لیں تو ان کے معاملہ سے اعراض کر لو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے، اس بات پر پختہ یقین رکھیے کہ ایسی توبہ جس کا قبول کرنا اللہ پر ہے وہ ان لوگوں کی ہے جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں پھر جلدی توبہ کرنے لگ جائیں تو ایسوں پر اللہ رجوع رحمت فرماتا ہے اور اللہ بڑے علم والا اور حکمت والا ہے''۔

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

''اور تمہارے لیے نصف ہے اس کا جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہو اگر ان کی اولاد نہ ہو، ہاں اگر ان کی اولاد موجود ہو تو پھر تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے بعد وصیت کے پورا کر لینے کے جو وصیت وہ کر جائیں یا بعد قرضہ کے اور ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہاری وصیت جو تم کر گئے ہو چکا لینے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہے اور اگر ہو مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی ہے کہ نہ اس کے اصول ہوں اور نہ فروع اور اس کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیّت کے پورا کرنے کے جو وصیّت کی جائے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد بغیر ضرر پہنچائے، یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حلیم ہے''۔

آیت کی تشریح سے پہلے

آیت کی تشریح سے پہلے علم الفرائض کی چند اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔

وارث تین قسم کے ہوتے ہیں:

1۔ اصحاب الفرائض

2۔ عصبات

3۔ ذوی الارحام

❁ اصحاب الفرائض وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصے مقرر ہیں مثلاً بیٹی ہو تو آدھے مال کی حقدار ہے، ایک سے زائد ہوں تو سب کے لیے دو تہائی، اگر میت کی اولاد نہ ہو تو پوتی بیٹی کے حکم میں ہوتی ہے۔

❁ عصبات وہ وارث ہوتے ہیں جن کے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ ذوی الفروض سے جو بچا ہوا ہو وہ یہ پا لیتے ہیں۔ ان میں سے سب سے اولیٰ بیٹا ہے پھر پوتا ہے، نیچے تک پھر باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر چچا پھر باپ کا چچا پھر دادا کے چچا اور جن عورتوں کا حصہ دو تہائی ہے وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔

❁ ذوی الارحام، ذوی الفروض اور عصبات کے سوا جو اقارب ہیں وہ ذوی الارحام ہیں۔ ان کی ترتیب عصبات کی مثل ہوتی ہے۔

کلالہ کی تشریح

کلالہ اس مرد یا عورت کو کہہ دیتے ہیں جس کا ترکہ ایسے حال میں تقسیم ہو کہ اس نے مرتے وقت ماں، باپ اور اولاد نہ چھوڑی ہو۔ اس صورت میں تقاسمہ ماں کی طرف سے بھائی یا بہن ہو تو ان میں ہوگا۔ صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو تہائی حصہ متروکہ میت سے نکال کر سب میں مساوی تقاسمہ ہوگا کیوں کہ وہ ماں کی طرف سے استحقاق حاصل کر پائے اور ماں تہائی سے زیادہ نہیں لے سکتی اور ان میں مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے زیادہ نہیں۔

آیت کا مفہوم و مدعا

آیت میں میاں بیوی کے حصے بیان ہوئے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے مرد صاحبِ اولاد نہ ہو تو اپنی بیوی کے مال سے آدھی میراث لے گا لیکن اگر اس کے ایک یا کئی بچے ہوں تو پھر شوہر کو مال کا چوتھائی حصہ ملے گا لیکن یہ تقاسمہ بیوی کا قرض ادا کرنے کے بعد اور اس کی وصیت جو ایک مخصوص حصے میں جاری ہوگی اس کے پورا کرنے کے بعد ہے۔

آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ بیویوں کی میراث شوہروں کے مال سے جبکہ اس کی کوئی اولاد ہو تو پھر عورتوں کا آٹھواں حصہ ہوگا، البتہ شوہر اور بیوی کا حصہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف نصف ہوتا ہے۔ آیت میں کلالہ کی میراث کا تقاسمہ بھی بیان کر دیا گیا ہے (26)۔

ایک اہم نکتہ

یہ آیت پوری وضاحت کے ساتھ قاریٔ قرآن کو یہ سکھاتی ہے کہ انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ وصیت کے ذریعے یا قرضے کے نام پر حقائق کو تبدیل کر دے اور وارثوں کا حق ضائع کرے۔ قرضہ پورے وثوق اور احتیاط سے بیان کیا جائے، جہاں تک وصیت کا تعلق ہے وہ صرف مال کے ایک تہائی حصے میں جاری ہوتی ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞

”یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے“۔

آیت میں انسانی رہنمائی کے لیے چار عنوانات پر شعلۂ وحی کو روشن کیا گیا ہے:

1۔ حدود کی پہچان

2۔ اطاعت کے ظاہری اور روحانی ثمرات

3۔ جنت میں خلود کی نعمت

4۔ اور عظیم کامیابی کا قرآنی تصور

”حدود، حد“ کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ منع کرنا یا روکنا ہوتا ہے۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے ممیز کرنا بھی ”حد“ ہوتا ہے۔ لوہے کو ”الحدید“ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ اپنی سختی کی وجہ سے اکثر روک قائم کرنے کے کام آتا ہے۔ ”المحادہ“ کا معنیٰ دشمنی ہوتی ہے چونکہ یہ بھی ایک دوسرے کو روکنے سے تعبیر کی جاتی ہے۔ شاید تیز دھار آلے کو بھی ”حد“ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دشمنی میں کاٹنے توڑنے کے کام آتا ہے (27)۔ قرآن مجید نے بصارت کے لیے بھی ”حدید“ لفظ استعمال کیا، اس لیے کہ یہ بھی تیز آلے کی طرح حقیقت پر پڑے ہوئے پردوں سے پار ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے، شہر کی حد، باغ کی حد، گھر کی حد وغیرہ قوانین، ضوابط اور اصول بھی ”حدود“ ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اکثر ”حدود“ کا لفظ اجتماعی احکام اور مقررات بیان کرنے کے بعد آیا ہے۔ یہاں آیت میں ”حُدُوْدُ“ سے مراد میراث کے قوانین ہیں۔ یہ ایک نظام ہے جسے اللہ نے اپنی حکمت کے مطابق وضع فرمایا ہے۔ یہ حدود خاندانی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں۔ ان شرائع سے معاشرہ میں اجتماعی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ احکام فیصلہ کن ہیں جن پر عمل ضروری ہے۔

آیت میں صاف طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اسلام کی تسلیم میں شرط کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جیسے پیاس پانی پینے ہی سے بجھتی ہے ایسے ہی اسلام کے روحانی مثمرات سے فیض یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ حاکمیت اللہ کے لیے ہے اور محبوبیت اور بیان اللہ کے رسول پر ہے، اس لیے ضروری ہے کہ عملی اسلام، روحانی اسلام اور اعتقادی اسلام کا مرکز اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو۔

قرآن مجید میں باغات میں سکونت اور خلود کو نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور نعمت وہی لذیذ ہوتی ہے جس میں خلود اور ہمیشگی ہو۔

آیت کا چوتھا عندیہ یہ ہے کہ حدود اللہ کی پہچان، قرآنی شرائع اور احکام، الوہی مقررات اور فرائض خصوصاً معاش اور معاشرت میں قرآنی حدود کا عملی نفوذ بڑی کامیابی کے دروازے کھولتا ہے۔ فوزِ عظیم اخروی نجات کے لیے بھی آیا ہے لیکن اس کامیابی کی مضبوط جڑیں تو دنیا میں حدود اللہ کا قیام و نفوذ ہے اور انسان کا انسان بن جانا ہے اور بندگی کی جنتیں تو اسی کامیابی کے ساتھ جوڑ دی گئی ہیں۔

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے

بڑھ جائے گا وہ اسے آگ میں داخل کرے گا جبکہ اس نے ہمیشہ اس کو اسی میں رکھنا ہے اور ایسے شخص کے لیے ذلیل کر دینے والی سزا ہوگی''۔

ادیان عالم میں اس عصر جدید کے اندر قوانین کی حیثیت کاغذ کے صفحات پر سیاہی کی لکیروں سے زیادہ نہیں رہی۔ اگر کچھ وقعت ہونے کا دعویٰ ہے بھی تو اس کی حیثیت پند و نصیحت سے زیادہ نہیں جبکہ اسلام کاغذی دین نہیں اور اس کے اصول و ضوابط صرف ذہنی ریاضت کے لیے نہیں۔ اسلام کی ہر بات معاشرہ میں عملی نفوذ کی ضمانت رکھتی ہے۔ قرآن حکیم ہر مسلمان کی اطاعت و وفا پر اس کا پشت پناہ ہوتا ہے اور نافرمانی اور معصیت کے وہ خونی پنجے توڑ دیتا ہے۔

وہ لوگ جو حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں انہیں ابدی جہنم کی سزا سنائی جاتی ہے۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ وہ دنیا میں اچھی اور خوبصورت زندگی گزارنے کے خوگر ہو جائیں۔ آیت میں معصیت سے مراد کھلے طور پر وہ لوگ ہیں جن کی سرکشی اور ڈھٹائی اسلام کے دامن سے اجرائی ضمانت چھینتی ہے، اس جملے کی صحیح تعبیر یہ ہے وہ لوگ جو قانون میراث پر عمل نہیں کرتے وہ حدود اللہ کو توڑتے ہیں۔ اللہ کے قانون کے خلاف کھلی بغاوت کرتے ہیں۔ قانون ورثہ میں تبدیلی کر کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اہلِ مغرب کی تقلید میں ان کے قوانین کا اجرا کر کے اللہ کے قانون کی حدیں توڑتے ہیں۔ ''یَتَعَدَّ حُدُوْدَ'' کے الفاظ ان کی باغیانہ طبیعت پر دلالت کرتے ہیں۔ دین تو حدود اللہ کی پاسداری ہی کا نام ہے۔ بے عملی قانون کو رفتہ رفتہ کمزور کر دیتی ہے۔ مسلمانوں میں بچیوں کو تقاسمہ کے وقت میراث میں حصہ نہ دینا عہد جہالت کی رسوم کو زندہ کرنا ہے۔ اقتصادی تباہیاں انسانوں کو ذلت آمیز عذاب سے دو چار کر دیتی ہیں۔

واللہ اعلم

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحاشی کا ارتکاب کرے تو تم ان پر اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ، اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں روک لو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر فرما دے''۔

فقہائے کرام نے اس آیت کی تفسیر میں اسلام کے تفصیلی احکام کا جائزہ لیا ہے۔ عام طور پر جو مسائل زیرِ بحث لائے گئے ہیں ان کی ترتیب یہ ہے:

1۔ فحاشی کیا ہے؟
2۔ جنسی گناہوں کی روک تھام
3۔ فحاشی کے اطلاقات
4۔ الزامات کا گواہوں کے بغیر بے معنیٰ ہونا
5۔ گواہیوں کی تعداد
6۔ گواہوں کا مسلمانوں میں سے ہونا
7۔ گواہوں کا چار کے عدد میں احصار
8۔ جرم کا ارتکاب کرنے والے کنوارے ہیں یا شادی شدہ
9۔ گواہیاں گزرنے سے پہلے گھریلو ماحول کی طہارت
10۔ عمر قید دے دینا یا گھر میں پابند کر دینا
11۔ جیلیں یا گھر، دونوں میں فرق
12۔ الناسخ اور منسوخ کی بحث
13۔ عورتوں کے لیے قید کے علاوہ کوئی اور راستہ
14۔ نکاح یا قید
15۔ اصلاح کی کوئی اور کوشش
16۔ ''سَبِیْلًا'' میں توسع کی بحث
17۔ مجرموں کے جرم حد میں ہونا یا حد سے متجاوز ہونا
18۔ قرآن اور حدیث کا مترادف المعنیٰ ہونا
19۔ قرآن اور حدیث کا مخالف المعنیٰ ہونا
20۔ نتیجہ کلامی

قرآن مجید کا زور

اس آیت میں قرآن مجید کا اصل زور جنسی زیادتیوں کی روک تھام پر ہے۔ آیت کا اسلوب ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی قانون سازی مرحلہ در مرحلہ ہوتی ہے۔

1۔ گھروں کو پاک صاف رکھنا
2۔ قبیلوں اور برادریوں کا صاف رکھنا
3۔ معاشرہ کو طہارت کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کرنا
4۔ ملک، ریاست اور بلاد المسلمین کو صاف ستھرا رکھنا

گھروں میں طہارت فکری، طہارت عملی، طہارت روحانی قائم رکھنے کے لیے علاج معالجہ زیادہ تر دعوتی، نفسیاتی اور تدبیراتی ہوتا ہے۔ برادریوں میں جو سزائیں یا فہمائشیں اپنائی جاتی ہیں وہ پنچائتی ہوتی ہیں اور جرائم اگر گھروں اور قبیلوں سے نکل جائیں تو پھر سزائیں ریاستی ہوتی ہیں۔ اس سے بالا قرآن مجید کے فیصلے تعزیراتی ہوتے ہیں۔ حدود کا خیال ہر رنگ اور ہر حال میں رکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات کو ناسخ منسوخ کی میزان پر چڑھائے بغیر اگر اجرائی ضمانتوں کو پشت پناہ بنا کر سمجھنے کی سعی کی جائے تو اعجازِ قرآن مزید محکم ہو کر سامنے آتا ہے۔ اصل چیز جنسی انارکی کا ختم کرنا ہے اور اس میں بھی قانون کا مزاج عادلانہ رکھنا ہے۔ حدود سے تجاوز کے لیے ہر شعبہ میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''مِّنْكُمْ، فِی الْبُیُوْتِ'' اور ''سَبِیْلًا'' کے دریچوں سے جھانک کر علوم اور معارف کے آسمانوں تک مزید رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

''اور تم میں سے جو دو ایسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں ایذا پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو درست کر لیں تو ان کے معاملہ سے اعراض کر لو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے''۔

فی ظلال القرآن میں سید قطب لکھتے ہیں (28):

''یہ آیت ہم جنس پرستوں کے بارے میں ہے وہ دو مرد جو باہم فحاشی کا ارتکاب کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے مطابق دونوں کو اذیت یوں دی جائے کہ انہیں گالی گلوچ کر کے ذلیل کیا جائے اور جوتے وغیرہ مارے جائیں''۔

ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا(29):

''جسے تم لواطت کرتے دیکھو تو دونوں بدفعلی کے مرتکبین کو قتل کر ڈالو''۔

ابن جوزی نے سنگین سزا دینے کا قول کیا ہے۔ خیال ہے قتل کردو سے مراد بھی سنگین سزا دینا ہے وگرنہ پھر اگر توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں کا مفہوم قتل کرنے کے بعد کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کی ایذا کا معنیٰ سنگین سزا سے کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے(30)۔

بعض مفسرین نے گالی گلوچ کرنے کا معنیٰ سمجھنے سے معذرت چاہی۔ ایک غلطی کو ختم کرنے کے لیے دوسری غلطی کرنا اس لبیکیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت عکرمہ، عطا، حسن اس سے مراد مرد اور عورت کا آپس میں ملوث ہونا مراد لیتے تھے(31)۔

آیت میں توبہ اور اصلاح سے مراد زندگی میں تبدیلی ہے۔ ایسا شخص جو اصلاح کی طرف مراجعت کر لیتا ہے تو پھر معاشرتی دباؤ قائم رکھنے کا کوئی معنیٰ نہیں بچتا۔ سزاؤں کا مقصد صرف ہڈیاں توڑنا نہیں ہوتا لوگوں میں طرز عمل کی تبدیلی، طہارت نفسی کی کوشش اور انحراف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات سزا وہ کام نہیں کرتی جو چشم پوشی کر دیتی ہے۔ آیت کا بیانیہ مصلحانہ ہے۔ قرآن مجید کی آیت میں مجرموں اور ملزموں کو رعایت نہیں دی گئی، ان کے باطنوں کو دھویا گیا ہے۔ ان کے لیے توبہ کی گنجائش رکھ کر اوصاف اور اخلاق پیدا کرنے کی مہلت دی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ حدود کو جہاں تک ہو سکے دور پھیر و لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ روشنی کے چراغوں کو پلٹا دو اور قانون کو درہم برہم کردو۔ یہاں اشارہ شاید اس طرف کرنا مقصود ہے کہ اصلاح یافتہ لوگوں کو طعنے نہ دیے جائیں، ان پر گندگی نہ اچھالی جائے، ان کو سابقہ یادوں کی وجہ سے اذیت نہ دی جائے، معاشرے میں انہیں ایک بہتر آدمی کی حیثیت سے قبول کیا جائے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اصرار کے ساتھ بُرا نام دے دیا جاتا ہے وہ دوبارہ جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قرآن دباتا نہیں اٹھاتا ہے اور ظلمتوں سے اُجالوں کی طرف سفر کرنے میں مدد دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے البتہ ارشاد فرمایا:

''تم جسے پاؤ کہ وہ ہم جنس بدفعلی کا مرتکب ہو رہا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو''۔

حدیث شریفہ کا معنیٰ ممکن ہے یہ ہو کہ دو آدمی اتنے گندے ہو جائیں کہ وہ تم سب کے سامنے گندگی کرنے لگ جائیں تو ایسوں کے لیے سزا میں نرمی کرنا تو گناہ کا بیج معاشرے میں بو دینا ہے جو بذات خود جرم ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

''اس بات پر پختہ یقین رکھیے کہ ایسی توبہ جس کا قبول کرنا اللہ پر ہے وہ ان لوگوں کی ہے جو جہالت سے بُرائی کر بیٹھیں پھر جلدی توبہ کرنے لگ جائیں تو ایسوں پر اللہ رجوع رحمت فرماتا ہے اور اللہ بڑے علم والا اور حکمت والا ہے''۔

رابطہ

مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں(32):

آیت کے پچھلی آیات سے ربط کے چند قرینے ہیں:

1۔ گزشتہ آیات میں بدکاروں کی توبہ کا ذکر تھا اس آیت میں اب توبہ کی نوعیت کا ذکر ہے کہ کس قسم کی توبہ سے گناہ گار مستحقِ رحمت ہوئے۔

2۔ مقبول توبہ کی شرائط بیان ہوئیں اس طرح یہ آیت پہلی آیات کا تتمہ ہے۔

3۔ پہلے توبہ کی ترغیب تھی اب توبہ کا وقت بیان کیا جا رہا ہے۔

4۔ اس آیت میں مسئلہ توبہ پر اعتراضات دفع کیے جا رہے ہیں۔

تفسیر

''اِنَّمَا'' کلمہ حصر ہے یہ اپنے مابعد کو ثابت کر کے باقی کی نفی کرتا ہے۔ یہاں آیت میں ''اِنَّمَا'' کہہ کر توبہ کی قبول کی خبر دی گئی ہے اور ماسوا کی نفی کر دی گئی۔ ''التَّوْبَةُ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ گناہ کے مرتکب کا نیکی کی طرف لوٹنا، غفلت سے بیداری کی طرف نکلنا اور بُرائی سے بھلائی کی طرف عدول اور اللہ کی طرف توبہ یہ نسبت رکھتی ہے کہ ناراضگی سے کرم، رحمت اور معاف کر دینے کی طرف مراجعت(33)۔

ایک روحانی بات

علامہ آلوسی لکھتے ہیں(34):

''آیت میں ''عَلَى'' آیا ہے اور یہ لزوم کے لیے آتا ہے۔ یہاں التزام یعنی لزوم کو اللہ نے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے۔ ہوسکتا ہے یہاں ''عَلَى، عند'' کے معنوں میں ہو یا ''مِن'' کی معنویت کو کلام میں سمو دیا ہو، مفہوم ہر صورت میں یہ ہوگا کہ اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر توبہ کی حقیقت لازم القبول فرمالی تو ''عند'' کے معنوں میں مفہوم یہ متبادر ہوگا کہ یہ توبہ اللہ کے نزدیک ہے اور ''مِن'' کے معنوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ یہ توبہ کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے''۔

واللہ اعلم

''التَّوْبَةُ'' میں الف لام عہدی ہے اور توبہ سے مراد مقبول توبہ ہے(35)۔

''سوٓء'' سے گناہ کی تعبیر

قرآن مجید نے یہاں آیت میں گناہ کے لیے ''سوٓء'' لفظ استعمال کیا ہے۔ برائی، بدی اور گناہ کے لیے یہ تعبیر گناہ کے اثرات کی وجہ سے ہوئی ہے۔ گناہ اور بدی، بدکار شخص کی روح، بدن اور نفس میں ہمیشہ بے چینی پیدا کرتے ہیں، الم کا سبب بنتے ہیں، اذیت اور دکھ اسی سوتے سے جنم لینے والی چیزیں ہیں، نیکی حسن المآب ہوتی ہے اور برائی کا چہرہ کالا ہوتا ہے، نیکوکار شخص سکون کے چشمہ پر آخر کار رسائی پا لیتا ہے اور بدکار آدمی بے چینیوں، الم سوزیوں اور تباہیوں کی دوزخ میں جلتا رہتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت چشمۂ رحمت کی حیثیت رکھتی ہے تاکہ لوگ توبہ کے آبِ صافی سے خود کو نہلاتے رہیں اور صاف ستھرے ہو کر اللہ کی رضا پاتے رہیں۔

جہالت کیا ہے؟

قرآن مجید نے اس آیت میں جس گناہ کی تہہ میں جہالت ہو اس کے لیے توبہ ضروری قرار دی ہے۔ جہالت کیا چیز ہے؟ کیا یہ گناہ سے بے خبری کا نام ہے یا گناہوں کے منحوس اثرات اور تباہ کاریوں سے ناواقفیت کا نام جہالت ہے؟ یہ ٹھیک اور درست ہے کہ جہل کی ایک صورت بے خبری کی ہوتی ہے، دوسری صورت ڈھٹائی کی ہوتی ہے، تیسری صورت طبعی ضد کی ہوتی ہے، چوتھی صورت شہوت کے غلبہ کی ہوتی ہے، پانچویں صورت ماحول کی گندگی کی ہوتی ہے، چھٹی صورت تقدیر کی شقاوت کی ہوتی ہے، ساتویں صورت خواہشات کے تلاطم کی ہوتی ہے، آٹھویں صورت تعقلات کی ظلمت کی ہوتی ہے، نویں صورت مبلغین علم کی بے حسی کی ہوتی ہے، دسویں صورت عداوت کی ہوتی ہے اور گیارہویں صورت ایمان کی کمزوری کی ہوتی ہے اور بارہویں

صورت انکار اور عناد کی ہوتی ہے، تیرہویں صورت دشمنوں کی کاسہ لیسی کی ہوتی ہے، چودھویں صورت شیطانیت کے مکروفریب کی ہوتی ہے اور پندرہویں صورت مزخرفین کی صحبت کی ہوتی ہے۔ توبہ ہر ایک کو فائدہ دینے اور صاف ستھرا کرنے والا غسل ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ دین اقرار سے شروع ہوتا ہے، تصدیق سے زور پکڑتا ہے، تسلیم کی راہ چلتا ہے، یقین اور اعتماد سے مضبوط ہوتا ہے اور توبہ واستغفار سے قبولیت کا مقام اور فضیلت پالیتا ہے۔

نفوس نفیسہ وہی ہوتے ہیں:

- احکم الحاکمین کی ربوبیت سے جو انکار نہیں کرتے
- اس کی توفیق کے خزانہ کو معمولی تصور نہیں کرتے
- خدا کی سزاؤں کو خفیف نہیں جانتے
- جہالت کو اپنا حاکم نہیں بنالیتے
- اللہ کی عطاؤں کو مقدر کی معراج جانتے ہیں
- جب ان سے غلطی ہوجاتی ہے تو ہوس اور ضد کو اپنا رفیق اور معتمد نہیں جانتے بلکہ توبہ اور استغفار کی راہ پڑ جاتے ہیں۔

احیاء العلوم کا خوبصورت حوالہ

امام غزالی احیاء العلوم میں خامہ فرسا ہوتے ہیں (36):

گناہوں پر اقدام کے تین درجے ہیں:

- پہلا یہ کہ گناہ کا کبھی ارتکاب نہ ہو، یہ فرشتوں اور انبیاء کی خصوصیت ہے۔
- دوسرا درجہ یہ ہے کہ گناہوں کا ارتکاب کیا جائے اور ان پر اصرار جاری رہے۔ ان پر دل میں ندامت بھی نہ ہو اور انہیں چھوڑنے کا خیال تک نہ آئے۔
- تیسرا مقام ان لوگوں کا ہے جن سے گناہ سرزد ہو لیکن فوراً اس پر دل میں ندامت پیدا ہو اور آئندہ کے لیے گناہ چھوڑ دینے کا پختہ عزم ہو۔

توبہ کے تین ارکان

صدق دل سے کی جانے والی توبہ کے تین ارکان ہیں:

- پہلا رکن یہ ہے کہ اپنے کیے پر ندامت ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''انما التوبۃ الندم'' توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔
- دوسرا رکن توبہ کا گناہ کو ترک کر دینا ہے اور آئندہ کے لیے اس گناہ سے قریب تک نہ ہونے کا عزم ہے۔
- تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کی جائے (37)۔

''ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ'' کا معنیٰ

مفسرین نے اس کی تین صورتیں لکھی ہیں (38):

- پہلی صورت یہ ہے کہ آثارِ موت ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کی جائے۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ گناہ گار شخص سے جونہی گناہ سرزد ہو فوراً وہ پشیمان ہو کر توبہ کرے اور اللہ کی طرف لوٹ آئے۔ ''قَرِيبٍ'' کا لفظ تعبیر کی اسی صورت سے مکمل مناسبت رکھتا ہے (39)۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے قرب کے احساس یا اماکن رحمت یا وسائل کرم کو اختیار کرے اللہ ضرور توبہ قبول فرمائے گا۔

واللہ اعلم

آیت کے آخر میں عمودِ تفسیر کو کھول کر بیان کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر ہی اپنے کرم کی مراجعت فرماتا ہے اس لیے کہ وہ علم والا ہے اور حکمتوں کا مالک وہی ہے۔

حوالہ جات

(26) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات
(27) تاج العروس: زبیدی ایضاً مجمع ایضاً راغب ایضاً رازی ایضاً لسان العرب ایضاً قرطبی
(28) فی ظلال القرآن: سید قطب
(29) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(30) زادالمسیر: ابن جوزی
(31) جامع البیان: طبری ایضاً ابن کثیر ایضاً زادالمسیر
(32) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی
(33) روح المعانی: آلوسی ایضاً رازی
(34) روح المعانی: آلوسی
(35) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی
(36) احیاء العلوم: غزالی کتاب التوبہ
(37) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ایضاً احیاء العلوم
(38) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً روح البیان ایضاً وھبہ ایضاً تفسیر عثیمی
(39) التحریر: ابن عاشور ایضاً روح المعانی ایضاً قرطبی ایضاً مجمع البیان

آؤ سوچیں

جو کسی کے لیے کسی سے ہجرت نہیں کرتا وہ وصل کی خوشیوں سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا۔ جو کسی کے لیے لذت کش انتظار نہیں رہتا اس کے لیے کوئی منتظر نہیں ہوتا، جو کسی کی خدمت کرنے کی بارکشیاں نہیں لیتا کوئی اس کے جوتے اٹھانے کو باعث لطف نہیں سمجھتا۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے بڑوں کے سامنے مٹ جاؤ اور بڑے بن جاؤ شاید بڑا بننے کے لیے اس سے زیادہ کارگر کوئی نسخہ نہیں ہوسکتا۔

کیا خوبصورت ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ آپ فرماتے ہیں:

''اونٹنیاں سو ہوتی ہیں لیکن سواری کے قابل ان میں سے کوئی ایک ہی ہوتی ہے''۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: طارق صدیق کھوکھر، لاہور

آنسوؤں کی سبیل بنی چشمۂ سلسبیل

حافظ سخی احمد خان

حَدَّثَتْنِي سَلْمَى، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ، وَهِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكِ؟ قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَعْنِي فِي المَنَامِ، وَعَلَى رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ التُّرَابُ، فَقُلْتُ: مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «شَهِدْتُ قَتْلَ الحُسَيْنِ آنِفًا (ترمذی)

''حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ زاروقطار رورہی ہیں۔ میں نے اُن سے رونے کا سبب پوچھا اور کہا: کس شے نے آپ کو گریہ وزاری میں مبتلا کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر انور اور ریش مبارک گرد آلود تھی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ابھی ابھی حسین رضی اللہ عنہ کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے''۔

اس روایتِ درد کو امام ترمذی نے اپنی جامع، امام حاکم نے المستدرک اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں بیان کیا ہے۔

زیرِ مطالعہ روایتِ دردوالم کی تفہیم کے لیے درج ذیل چند نکات قائم کیے جاتے ہیں:

1۔ حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی عمر
2۔ متعدد افراد کا مشاہدہ
3۔ خاصۂ حسینی
4۔ دکھ اور غم کی انتہا
5۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بار بار رونا
6۔ بے اختیار اشکوں کا بہہ جانا
7۔ تکلف کے ساتھ رونا یا رونے جیسی شکل بنانا
8۔ سوگ کی ممانعت

حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عمر

اس روایتِ غم پر شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے یزید کے طرفداروں اور حبداروں نے یہ ہوائی اڑائی کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال تو شہادتِ امام حسین پاک رضی اللہ عنہ سے دو سال قبل ہو گیا تھا جو کہ صریحاً باطل ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے فقط ایک ہی حوالہ کافی ہے کہ سیر اعلام النبلاء میں امام ذہبی بیان کرتے ہیں:

و كانت آخر من مات من امهات المؤمنين عمّرت حتى بلغها فقتل الحسين الشهيد فو جمت لذلک و غش عليها و حزنت عليه كثير الم تلبث بعده الّا يسيراً۔

''امہات المؤمنین میں سے سب سے آخر میں حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، یہاں تک کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو بے ہوش ہوگئیں اور حزن وملال کا اتنا غلبہ اُن پر رہا کہ ان کی شہادت کے بعد تھوڑا عرصہ ہی بقیدِ حیات رہ سکیں''۔

بنیادی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کربلا کی مٹی حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے ہی دی تھی کہ شہادت امام پاک رضی اللہ عنہ کے وقت میں ازواجِ مطہرات میں سے اُنہی کی حیات علمِ رسول میں تھی۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پر یہ اعتراض کہ وہ شہادت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی وصال پا چکی تھیں۔ اُن تمام احادیث کو مشکوک بنانے کے مترادف ہے جو اس باب میں اُن سے وارد ہوئی ہیں۔

غم حسین میں رونا بھی اک عبادت ہے
ہے خوش نصیب ملی جس کو یہ سعادت ہے
غم حسین میں نکلے جو آنکھ سے آنسو
ہر ایک اشک سے بڑھ کر ہی اس کی قیمت ہے

متعدد افراد کا مشاہدہ

اسی لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہدِ حسین پاک علیہ السلام میں موجودگی کی گواہی متعدد افراد نے دی اور محدثین نے اُن کے مشاہدہ کو روایت بھی کیا۔ امام طبرانی نے المعجم الکبیر، امام حاکم نے المستدرک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: " رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ بِنِصْفِ النَّهَارِ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، مَعَهُ قَارُورَةٌ فِيهَا دَمٌ يَلْتَقِطُهُ، أَوْ يَتَتَبَّعُ فِيهَا شَيْئًا قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا هَذَا؟ قَالَ: دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهِ لَمْ أَزَلْ أَتَتَبَّعُهُ مُنْذُ الْيَوْمِ"

''میں نے نصف النہار کے وقت خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال بکھرے ہوئے اور جسم پر گرد وغبار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بوتل تھی جس میں وہ کچھ تلاش کر رہے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، میں صبح سے اس کی تلاش میں لگا ہوا ہوں''۔

راوی حدیث عمار کہتے ہیں کہ ہم نے وہ تاریخ اپنے ذہن میں محفوظ کر لی۔

نیز مسند رویانی اور مناقب المغازلی میں عامر بن سعد البجلی سے بھی ایک ایسی روایت موجود ہے جس میں قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ کے لیے جہنم کی سزا کا ذکر بھی موجود ہے۔

معلوم نہیں ہوسکا کہ یزید کی حمایت ان ظالموں کو کیا دے سکتی ہے۔ علامہ آلوسی علیہ الرحمہ نے تو یہاں تک بھی بیان کیا کہ یزید رسالت پر ایمان ہی نہیں رکھتا تھا۔ اگر وہ رسالت پر ایمان رکھتا تو حسین پاک علیہ السلام کے ساتھ یہ ظلم نہ کرتا۔ سید علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کی رائے یزید کے طرفداروں کے لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے وگرنہ دفاعِ یزید کی ایسی گھناؤنی سوچ کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟؟؟

غم حسین رضی اللہ عنہ ملا ہے یہ چیز عام نہیں
ہر ایک چیز سے مہنگی یہ میری دولت ہے
غم حسین رضی اللہ عنہ علامت ہے عشق نبوی کی
نبی سے عشق نہ ہو تو کہاں یہ دولت ہے

خاصۂ حسینی

اسلام اور شہادت لازم وملزوم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد بہت سی مظلومانہ شہادتیں ہوئیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی بہت دردناک ہے اور آپ خود فرماتے ہیں کہ شہادت سے ایک رات قبل آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ آج روزہ رکھ لینا اور افطار میرے پاس آکر کرلینا۔ شہادت کا غم اور درد تو پدرِ حسین، قاسم ولایت اور شہنشاہِ ولایت، اخیٔ رسول مولا مرتضیٰ علیہ السلام بھی بہت ہے۔ شہادت ایک عظیم رُتبہ ہے اور سبھی شہادتیں ہی اکبر و اعظم ہیں اور بہت سے عظیم شہداء کو شہادت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور بشارت بھی نصیب ہوئی۔ جس کو بھی یہ عظمت ملی وہ شہید ہوکر بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ مگر یہ فقط اور فقط خاصۂ سیدنا امام عالی مقام حسین پاک علیہ السلام ہے کہ جن کی شہادت کے موقع اور وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانی پر خود بنفسِ نفیس موجود رہے۔ حسین پاک علیہ السلام شہید ہوکر حاضر نہیں ہوئے بلکہ اللہ کے پاک محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود میدانِ کربلا میں اپنے بیٹے کے ساتھ موجود رہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو سیدنا حسین پاک علیہ السلام کے سوا کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔

پوچھا کہ عشق کیا ہے ہم نے کہا حسین رضی اللہ عنہ
غم کس کے نام کا ہے ہم نے کہا حسین رضی اللہ عنہ
تم ذکر کربلا سے روتے ہو کس لیے
دل میں تمہارے کیا ہے ہم نے کہا حسین رضی اللہ عنہ

دکھ اور غم کی انتہا

آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العالمین کی راہ میں سب سے زیادہ مجھے ستایا گیا۔ شعب ابی طالب سے لے کر عام الحزن تک اور اپنے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سے لے کر اپنے محبوب چچا حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت تک محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت غم اور دکھ برداشت فرمائے مگر شہادتِ امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ کا غم سب سے بڑا ہے، اسی لیے زیرِ مطالعہ روایت کے الفاظ شدید ترین غم اور دکھ کو بیان کرتے ہیں کہ سرِ مُبارک اور ریشِ انور پر مٹی ہے، ماز اغ کی چشمانِ اقدس میں آنسو ہیں اور پھر ارشاد فرمانا کہ میرا حسین رضی اللہ عنہ ابھی شہید کردیا گیا۔ لوگوں کو حیرانی ہوتی ہے کہ غم حسین رضی اللہ عنہ بُھلایا کیوں نہیں جا سکا؟ کربلا ہمیشہ تازہ ہی کیوں رہتی ہے؟ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ذکرِ حسین علیہ السلام کیوں دلوں کو زیر وزبر کردیتا ہے؟ اُس کی وجہ یہ ہے کہ غمِ حسین رضی اللہ عنہ غمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، یہ اُس غم کی یاد ہے جو اللہ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچنے والے غموں میں سب بڑا دکھ اور غم ہے، اسی لیے تو غمِ حسین پاک علیہ السلام میں ساری دُنیا ہی جمع ہوگئی۔ امام جرجانی علیہ الرحمہ حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرماتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةُ قَتْلِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ, قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: سَمِعْتُ قَائِلًا, يَقُولُ:

أَيُّهَا الْقَاتِلُونَ جَهْلًا حُسَيْنَا
أَبْشِرُوا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْكِيلِ
قَدْ لُعِنْتُمْ عَلَى لِسَانِ ابْنِ دَاوُدَ
وَمُوسَى وَصَاحِبِ الْإِنْجِيلِ

قَالَتْ: فَبَكَيْتُ, قَالَتْ: فَفَتَحْتُ الْقَارُورَةَ, فَإِذَا قَدْ حَدَثَ فِيهَا دَمٌ

(ترتيب الأمالي الخميسية للشجري)

''جس رات میں امام پاک علیہ السلام کی شہادت ہوئی حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سُنا:

اے حسین رضی اللہ عنہ کے جاہل قاتلو! تمہارے لیے عذاب اور جہنمی زنجیروں کی بشارت ہے۔ یقیناً تم پر حضرت داؤد، حضرت موسیٰ اور صاحب انجیل حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی زبان پر لعنت کی گئی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں رونے لگ گئی اور میں نے وہ شیشی کھولی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دی تھی اور اُس میں کربلا کی مٹی تھی تو وہ خون ہوچکی تھی''۔

یہ غم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس میں شریک ہوگئے۔ آسمان بھی خون آلود ہوگیا اور تمام مخلوقاتِ ہی اشکوں کی سوغات ہدیہ کرنے لگ گئیں۔ ذکرِ غمِ حسین رضی اللہ عنہ پر اگر کسی کا دل دُکھی نہیں ہوتا تو وہ غور کرے کہ اُس کا قلبی تعلق کس کے ساتھ ہے؟

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شہادت کو سلطان العارفین حضرت باہو علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

جے کر دین علم وچ ہوندا تے سر نیزے کیوں چڑھدے ہُو
جے گُجھ ملا حظہ سرور دا کردے تے خیمے تنبو کیوں سڑدے ہُو
پر صادق دین اونہاں دے باہُو جو سر قربانی کر دے ہُو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بار بار رونا

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک ایسا اَمر ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار روئے۔ کسی اور خبر، واقعہ یا اَمر پر آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی بار نہیں روئے جتنی مرتبہ اپنے پیارے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر روئے۔ امام حاکم المستدرک میں شیخین کی شرائط پر روایت کرتے ہیں:

عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ, أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ, إِنِّي رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ, قَالَ: »مَا هُوَ؟« قَالَتْ: إِنَّهُ شَدِيدٌ, قَالَ: »مَا هُوَ؟« قَالَتْ: رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِي حِجْرِي, فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »رَأَيْتِ خَيْرًا, تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللهُ غُلَامًا, فَيَكُونُ فِي حِجْرِكِ« فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِي حِجْرِي كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, فَدَخَلْتُ يَوْمًا إِلَى رَسُولِ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِي حِجْرِهِ، ثُمَّ حَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ، فَإِذَا عَيْنَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيقَانِ مِنَ الدُّمُوعِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَالَكَ؟ قَالَ: »أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ ابْنِي هَذَا« فَقُلْتُ: هَذَا؟ فَقَالَ: »نَعَمْ، وَأَتَانِي بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهِ حَمْرَاءَ« هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "المستدرک

''حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے گزشتہ رات ایک خطرناک خواب دیکھا ہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: وہ بہت خطرناک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ اچھا خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بچہ پیدا ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ میری گود میں دیے گئے۔ ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی گود میں دے دیا۔ کچھ دیر بعد جب میں نے توجہ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، میں نے پوچھا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں کیا وجہ ہے؟ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے تھے، انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت اس کو شہید کر دے گی۔ میں نے تعجب سے پوچھا: اس کو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور وہ اس کے مقام شہادت کی سرخ مٹی بھی میرے پاس لائے''۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے معیار کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو نقل نہیں کیا۔

درج بالا روایت نے واضح کیا کہ ولادتِ امام پاک کے ساتھ ہی شہادت کی خبر ملی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے۔ ایک اور روایت بھی پیشِ خدمت ہے جسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں بیان کیا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میرے پاس اندر کسی کو بھی نہ آنے دینا۔ اُمّ المؤمنین مامور تشریف فرما تھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ آپ نے روکنا چاہا تو امام حسین رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے جبکہ بطور خاص تمام ازواجِ مطہرات کو یہ حکم تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو نہ رلاؤ، لہذا اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اُنہیں اندر جانے دیا۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

فَسَمِعْتُ نَحِيبَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''کہ میں نے سسکیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے کی آواز سُنی''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو فرماتی ہیں

قَدِ اخْتَضَنَ حُسَيْنًا كَاسِفَ الْبَالِ، مَهْمُومًا

''تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ چمٹایا ہوا تھا اور نہایت پریشان اور مغموم و دکھی تھے''۔

عرض کرنے پر ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بیٹے کو قتل کر دے گی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »يَقْتُلُونَهُ وَهُمْ مُؤْمِنُونَ بِي

''وہ اسے قتل کر دیں گے جبکہ وہ مجھ پر ایمان بھی رکھتے ہوں گے''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حال میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے گئے

فَقَالَ لَهُمْ: إِنَّ أُمَّتِي يَقْتُلُونَ هَذَا وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، وَكَانَا أَجْرَأَ الْقَوْمِ عَلَيْهِ، فَقَالَا: يَا نَبِيَّ اللهِ يَقْتُلُونَهُ وَهُمْ مُؤْمِنُونَ؟

''اور انہیں بھی بتایا کہ میری اُمّت میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔ اصحاب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اس بات کو سُن کر دونوں نے ہمت کی اور عرض کی۔ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ اسے قتل کریں گے جبکہ وہ ایمان بھی رکھتے ہوں گے؟''

نَحِيبَ رَسُولِ اللهِ، كَاسِفَ الْبَالِ، مَهْمُومًا کے الفاظ سے غمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اگر بندہ ذی حس ہو تو وہ شدتِ درد کا احساس کر سکتا ہے جو ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل سے کیا اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے کیسے حسین پاک علیہ السلام کے دشمن ہو سکتے ہیں؟ ایمان کا دعویٰ اور حسین پاک علیہ السلام سے دشمنی کیسے ممکن ہے؟

یہ بات تو آج بھی نہایت اہم ہے کہ ایمان کا دعویٰ بھی اور یزید کا دفاع بھی!!!!

کہنے لگے وہ ہم سے کیا ہو گیا ہے تم کو
رنگ کس کا چڑھ گیا ہے ہم نے کہا حسین رضی اللہ عنہ
راہ یزید پر جو چلتے دوزخی ہیں
جنت کی راہ کیا ہے ہم نے کہا حسین رضی اللہ عنہ

بے اختیار اشکوں کا بہہ جانا

ذکرِ غمِ حسین رضی اللہ عنہ پر آنسوؤں کی سبیل کا جاری ہو تو فقیہانِ متین کا فتویٰ ہے کہ بے اختیار اشک رُخسار پر بہہ جائیں تو جائز ہے۔ مہربانی ہے اُن کی کہ غلامانِ رسول کو اجازت مرحمت فرما دی کہ وہ جب اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روایتِ غم کو سُنیں یا پڑھیں تو دل میں کیفیتِ غم بھی پیدا ہو اور آنکھوں سے جاری ہونے والی سبیلِ محبت بارگاہِ حسینی رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہوئی دہلیزِ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچے تو چشمۂ سلسبیل بن جائے۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے سیدنا حسین پاک رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت فضائل الصحابہ میں بیان کی ہے:

الرَّبِيعُ بْنُ مُنْذِرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ يَقُولُ: مَنْ دَمَعَتَا عَيْنَاهُ فِينَا دَمْعَةً، أَوْ قَطَرَتْ عَيْنَاهُ فِينَا قَطْرَةً، أَثْوَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْجَنَّةَ

''امام حسین بن مولا علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں ہماری محبت کی وجہ سے اشک آئے یا پھر اُس کی آنکھ سے ایک قطرہ بھی ہماری وجہ سے بہہ نکلا تو اللہ عزوجل اُسے جنت میں ٹھہرائے گا''۔

امام طبرانی کی المعجم الکبیر سے روایت کے یہ الفاظ نہایت دردمند ہیں کہ جب امام

حسین پاک علیہ السلام کے سرِ مُبارک کے ساتھ ظالموں نے ایک جگہ قیام کیا تو لوہے کے قلم ساتھ ایک دیوار پر خون سے یہ درج تھا:

أترجو أمة قتلت حسيناً... شفاعة جده يوم الحساب

''کیا وہ اُمّت بھی قیامت کے دن حسین پاک علیہ السلام کے نانا کی شفاعت کی اُمید رکھتی ہے جس نے اُسے شہید کر دیا؟''

غمِ حسین سے دلوں کو حیات ملتی ہے
ملے یہ غم تو غموں سے نجات ملتی ہے

تکلف کے ساتھ رونا یا رونے جیسی شکل بنانا

امام بیہقی شعب الایمان میں بیان کرتے ہیں:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي قَارِئٌ عَلَيْكُمْ سُورَةَ أَلْهَاكُمْ فَمَنْ بَكَى فَلَهُ الْجَنَّةُ فَقَرَأَ فَبَكَى بَعْضُنَا، وَلَمْ يَبْكِ الْبَاقُونَ قَالَ الَّذِينَ لَمْ يَبْكُوا: لَقَدْ جَهِدْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ نَبْكِيَ فَلَمْ نَقْدِرْ فَقَالَ: "إِنِّي قَارِئُهَا عَلَيْكُمُ الثَّانِيَةَ، فَمَنْ بَكَى فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ أَنْ يَبْكِيَ فَلْيَتَبَاكَ" شعب الايمان

''حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی روایت کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے سورہ الھکم التکاثر کی تلاوت کرنے لگا ہوں پس جو کوئی تلاوت سُن کر روئے اُس کے لیے جنت ہے۔ پھر آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت فرمائی لہذا ہم میں سے کچھ تو رونے لگ گئے اور باقی حاضرین نہیں روئے۔ اُنہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو نہیں رو سکے تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں دوبارہ تلاوت کرتا ہوں پس جو بھی اس دفعہ رویا تو اُس کے لیے بھی جنت کی بشارت ہے اور جو نہ رو سکے تو اُسے چاہیے کہ وہ رونے جیسی شکل ہی بنا لیے''۔

درج بالا حدیث پاک سے یہ بات اخذ کرنا مشکل نہیں کہ رونے کے مقام پر اگر بے اختیار رونا نہ بھی آئے تو رونے جیسی صورت بنا لینی چاہیے اور تکلّف کے ساتھ بھی یہ کوشش کی جائی تو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

ہمارا عقیدہ، ایمان اور نظریہ نہایت سادہ ہے کہ اللہ کے محبوب پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی کے ساتھ خوشی اور ان کے غم کے ساتھ غم،۔۔۔۔۔وہ مقام جہاں محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُکھی ہوئے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مازاغ میں آنسو بار بار آئے ہوں تو کم از کم غلامیٔ رسول کا یہ تقاضا تو ہے ہی کہ چہروں پر کیفیتِ غم ہو، محرم الحرام میں شہادت امام پاک علیہ السلام کے موقع پر خوشیوں کی محفلیں مؤخر کر دی جائیں اور غمِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدّت اور شدّت کو محسوس کیا جائے۔

محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے؟

اس سوال کا تعلق شرم وحیا سے ہے۔ جوان بیٹے کی موت کے دن پر شادی کرنا جائز تو ہوتا ہے مگر شرم وحیا وضمیر وغیرت کا تقاضا دُکھ اور اَلم کا ہے۔ کیا کلمہ گو مسلمانوں کی آنکھ اتنی بھی حیا نہیں رہی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم اور اُن کی اولاد کے غم کو غم ہی نہ سمجھیں۔

ایسی ژولیدہ فکری سے الاماں، الاماں!!!

علامہ اقبال علیہ الرحمہ قرآن مجید اور حسین پاک رضی اللہ عنہ کی اک مثال رموز بے خودی میں یوں دیتے ہیں:

درمیان امت ان کیواں جناب
ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب

''یہ بلند مرتبت ہستی حسین رضی اللہ عنہ امت کے درمیان یوں ہے جیسے قرآن پاک میں سورۃ الاخلاص''۔

اور بالِ جبرائیل میں کہتے ہیں:

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

سوگ کی ممانعت

آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق میت کا سوگ تین دن اور بیوہ چار ماہ دس دن تک اپنے شوہر کا سوگ منا سکتی ہے۔ گریبان چاک کرنا، سینے اور چہرہ پر تھپڑ مارنا جائز اور درست عمل نہیں مگر فقیہانِ متین کا کیا فتویٰ ہے کہ اگر کوئی اپنے والد، بیٹے یا کسی اور قریب از جاں کی دردناک موت کے سالوں بعد اُسے یاد کرتے ہوئے رو پڑے اور سامعین بھی اُس کے درد کو محسوس کریں تو کیا یہ اَمر ناجائز وحرام ہوگا!!! ہمیں زیادہ تو نہیں معلوم مگر شمائل ترمذی کی درج ذیل روایت اہل ایمان سے کچھ تقاضا ضرور کرتی ہے کہ ایک روز حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے روٹی اور گوشت لایا گیا:

بَكَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: «هَلَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَأَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ

''حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اس حال میں وصال فرما گئے کہ جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی''۔

مسند امام احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اندازِ محبت یوں نقل ہوا کہ روایت بیان کی اور ہنس پڑے:

فَقَالَ: أَلَا تَسْأَلُونِي مِمَّا أَضْحَكُ؟ فَقَالُوا: مِمَّ تَضْحَكُ؟ فَقَالَ: هَكَذَا ضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''پھر کہا کہ تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں کیوں ہنسا ہوں؟ لوگوں نے پوچھا: آپ کیوں ہنسے ہیں؟ تو جواباً کہا کہ یہ بات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یوں ہی مسکرائے تھے''۔

اسی طرح کا عمل مولا مشکل کشا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا گیا ہے:

فقيل: يا أمير المؤمنين، من أي شيء ضحكت؟ قال: رأيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم فعل كما فعلت

''پوچھا گیا: یا امیر المؤمنین! کس بات پر آپ مسکرائے تو ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا جیسا عمل میں نے کیا ہے''۔

ایک اور موقع پر اونٹ پر سوار ہوئے تو اُسے قچی ماری اور ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی کیا تھا۔ حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت امام بخاری نے نقل کی جس میں وہ تعجب وحیرانی سے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک ہی سوال بار بار عرض کرتے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت سے فرمایا:

رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ «وَكَانَ أَبُو ذَرٍّ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا قَالَ: وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي ذَرٍّ بخاری

''ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی یہ حدیث شریف بیان کرتے تو ساتھ یہ بھی کہتے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو''۔

مسلم شریف میں ہے کہ وصال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چلو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس چلتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُن سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ شیخین رضی اللہ عنہما اُن کے پاس گئے تو وہ انہیں دیکھ کر یادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونے لگیں:

فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا

''اور وہ دونوں بھی حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر رونے لگے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اُس ادائے یار کو جب جب یاد کریں تو مسکرا پڑیں۔

مولا علی رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں کے ایسے حافظ و عامل کہ اونٹ پر بیٹھ کر قیچی مارنے کی ادائے پاک کو بھی فراموش نہیں کرتے

سوگ منانا تو حرام ہے مگر۔۔۔۔۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھوک و فاقہ کو یاد کر کے رونا۔۔۔۔۔

حضرت ابوبکر و عمر و حضرت اُمّ رضی اللہ عنہم کا یادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونا۔۔۔۔۔

فتووں کو ادب کی زنجیر میں مقید کر لو کہ یہ بارگاہِ حسینی رضی اللہ عنہ ہے

یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہے جو مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب ہے، یہ راکبِ دوشِ رسول ہے۔

یہ نمازوں اور سجدوں میں عین حالت امامت و جماعت میں صحابہ کرام کے موجودگی میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود، کبھی پُشت اور کبھی منبر پر موجود ہے

کیا حُسین پاک علیہ السلام کا اتنا بھی حق نہیں کہ جب اُن روایات و احادیث کو بیان کیا جائے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو ہیں، اشک ہیں، درد ہے، دُکھ ہے، غم ہے، حُزن و ملال ہے کہ اُنہیں بیان کرتے ہوئے اُنہیں سُنتے ہوئے

ادائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاس کرتے ہوئے ہی کچھ اشک بہا لیے جائیں

اگر بے اختیار نہ بھی ہو تو کم از کم محبت کے دعویداروں کو اتنی سی تو شرم و حیا کرنی ہی چاہیے کہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''کاسف البال و مھموم'' ہو گئے تھے تو خوشی کے اظہار کے فتوے تو نہ دو!!!

وجدان و شعور کے ساتھ روزنِ ضمیر سے جھانکو گے تو

غمِ حسین رضی اللہ عنہ میں بہنے والے اشکوں کی سبیل بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جنت کی نہرِ سلسبیل بنتے ہوئے نظر آئی گی۔

قلندرِ لاہوری علامہ اقبال علیہ الرحمہ شاید اس راز کو پا گئے تھے، اسی لیے تو دلیلِ حسینی میں عرض گزار ہیں:

ای صبا ای پیک دور افتادگان
اشک ما بر خاک پاک او رسان

''اے صبا! اے دور رہنے والے لوگوں کی قاصد! ہمارے آنسوؤں کا ہدیہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں کی پاک خاک تک پہنچا دے''۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حسین اسمِ گرامی ہے حُسنِ فطرت کا
حسین اسمِ گرامی ہے لطف و رحمت کا
حسین جانِ دو عالم کی جان ہیں واللہ
حسین درسِ عمل کی زبان ہیں واللہ
حسین شاہد معنیٰ کی آن ہیں واللہ
حسین شانِ حقیقت نشان ہیں واللہ
حسین منزل مقصود کی نشانی ہیں
حسین پیکر اسلام کی جوانی ہیں
حسین دعویٰ صدیق کی صداقت ہیں
حسین عظمت فاروق کی جلالت ہیں
حسین طاعت عثمان کی حمیت ہیں
حسین خالقِ کونین کی ودیعت ہیں
حسین مجلسِ آداب و زہد کی تصویر
حسین روحِ عمل ، جانِ عزم کی تحریر
حسین ، حُسن کی تنویر ، عشق کی تقدیر
حسین مسئلہ زیست کی حسیں تفسیر
انہیں کو کہتے ہیں دنیا میں خلد کا سردار
انہیں کے خون سے روشن ہوئے چراغِ بہار
یہی ہیں قلبِ رسالت پناہ کی حرکت
یہی ہیں شاہِ ولایت کی مستقل صورت
غم و الم میں مسرت ، انہیں کے صدقے میں
عمل کی روحِ لطافت ، انہیں کے صدقے میں
مجاز بھی ہے حقیقت انہیں کے صدقے میں
مہیب دشت ہے جنت انہیں کے صدقے میں
حسین فخر ہیں دنیائے رنگ و بو کے لیے
حسین ناز ہیں تکمیل جستجو کے لیے
عزیز جان ! تصدق کی آبرو کے لیے
جگر کا خون دیا اور فقط وضو کے لیے
حسین واقعی سرِ دفترِ عبادت ہیں
حسین اپنے اب وجد کے دل کی حرکت ہیں

شاہ انصار الہ آبادی

حضرت سیدنا امام
زین العابدین رضی اللہ عنہ

عبدالمجتبیٰ رضوی

ولادت باسعادت

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت عرشعبان المعظم بروز پنجشنبہ 38ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔

اسمِ مبارک

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کے نام اظہار عقیدت کے طور پر اپنے والدِ گرامی کے نام پر رکھتے تھے یہی وجہ تھی کے آپ کے اکثر شہزادوں کے نام علی ہیں۔ البتہ بڑے اور چھوٹے ہونے کی رعایت سے اُنھیں اکبر، اصغر، صغریٰ، کبریٰ کے اضافے سے پکارا جاتا تھا۔ اسی مناسبت کی بنا پر آپ کا نام بھی علی ہے۔ آپ کی کنیت ابومحمد، ابوالحسن، ابوالقاسم اور ابوبکر ہے اور لقب آپ کا سجاد زین العابدین، سید العابدین، ذکی اور امین ہے۔

تعلیم وتربیت

آپ نے دو برس تک سیدنا علی المرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی آغوش میں پرورش پائی، بعد میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی زیرنگرانی علوم معرفت سیکھا۔ یعنی آپ نے دو برس اپنے دادا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کے ساتھ گزاری، پھر دس برس اپنے چچا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اور گیارہ برس اپنے والد ماجد امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تربیت پاکر علوم ومعرفت کے عظیم منازل طے پائے۔

والدہ ماجدہ

آپ کی والدہ ماجدہ ام ولد تھیں یزدجرد (آخری بادشاہ فارس) پسر شہریار بن شیرویہ بن پرویز بن ہرمز بن کسریٰ نوشیرواں کی بیٹی تھیں۔ نام مبارک ان کا سلافہ اور بقولے غزالہ اور لقب شاہ زمان وشہربانو تھا۔

حلیہ شریف

آپ اپنے جد امجد حضرت علی شیر خدا مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے ہم شبیہ تھے۔ رنگ مبارک گندم گون تھا اور پستہ قد ولاغر اندام تھے۔ ریش مبارک میں حنا اور کتم سے خضاب کرتے تھے۔

ولادت کی بشارت

امام ابن المدینی حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر تھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ حضور کی گود میں تھے اور حضور ان کو کھلا رہے تھے تو حضور نے فرمایا: اے جابر! ان کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جن کا نام علی ہوگا، جب قیامت کا دن ہوگا منادی اُسے اس لقب سے پکارے گا کہ سید العابدین کھڑے ہوں تو ان کا وہ بیٹا کھڑا ہوگا پھر اس کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام محمد (امام باقر) ہوگا۔ اے جابر اگر تم اسے پانا تو اسے میرا اسلام کہنا۔

نسب نامہ شریف

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے۔

خصائل مبارکہ

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے اسلاف کے اخلاق وخصائل کے پیکر تھے۔ آپ بہت ہی شائستہ اور باادب تھے۔ اپنے بڑوں کا احترام کرتے، مصیبت زدوں کی فریادرسی کرتے، مفلوک الحال اور غریب لوگ آپ کی ذات میں بے پناہ ہمدردی اور شفقت پاتے تھے۔ عمر ابونصر نے لکھا ہے کہ آپ نے بے شمار غلام خرید کر آزاد کئے۔ آپ اپنے بدترین دشمنوں سے بھی مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے۔

مروان ابن الحکم جو آپ کی دشمنی میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا۔ جب وہ حکومت کے زیر عتاب آیا تو اپنے اہل وعیال کے لیے آپ سے پناہ کا طلب گار ہوا تو آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کے اہل خانہ کو ایک طویل عرصہ پناہ دی اور ان کی خبر گیری کرتے رہے۔

فضائل

وارث نبوت، چراغ امت، سید مظلوم، زین عبادت شمع اوتاد سیدنا ابو الحسن علی المعروف زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہ۔ آپ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گزار، کشف حقائق ونطقد قائق میں مشہور تھے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ میں نے کسی قریش کو امام زین العابدین سے افضل و اعلیٰ نہیں دیکھا اور سعید فرماتے ہیں کہ میری نظر میں ان سے بڑھ کر کوئی صاحب تقویٰ نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب آپ کو دیکھتے تو فرماتے مرحبا بالحبیب بن الحبیب۔ یعنی شاباش اے محبوب کے محبوب بیٹے۔

ابوحازم فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ سے زیادہ افضل وفقیہہ کسی کو نہیں پایا۔ ذہبی اور عینیہ کا قول ہے کہ ہم نے کوئی قریش آپ سے افضل نہیں دیکھا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اہل افضل میں سے تھے۔ ابن ابی شیبہ کا قول ہے حدیث کی سندوں میں سے زیادہ صحیح سندوہ ہے جس میں امام زین العابدین اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ اور وہ اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کریں۔ نقش خاتم آپ کا وماتوفیقی الا باللہ ہے۔

ایثار وقربانی

آپ نے اپنی زندگی میں دومرتبہ اپنا سارا مال و اسباب خدا کی راہ میں خیرات کیا، آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا آپ بہت سے غربائے اہل مدینہ کے گھروں میں پوشیدہ طریقوں سے رقم بھیجا کرتے تھے کہ ان غرباء کو خبر نہیں ہوتی تھی کہ یہ کہاں سے آتا ہے؟ آپ کا وصال ہوگیا تو ان غرباء کو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی سخاوت تھی۔

حلم وصبر

آپ بہت ہی حلیم وصابر وشاکر تھے۔ یزید پلید کے دور حکومت میں آپ کو کربلا سے دمشق تک ہتھکڑی اور گلے میں بیڑی پہنا کر لایا گیا تھا پھر عبدالملک بن

مروان نے اپنی حکومت کے زمانے میں آپ کو لوہے کی ہتھکڑی اور گلے میں بھاری طوق پہنا کر مدینہ منورہ سے شام تک چلنے پر مجبور کیا اور دمشق میں آپ کو قید کر دیا۔ آپ نے ان تمام مشقتوں کو برداشت کیا اور اُف بھی نہیں کیا، بلکہ ہر دم و ہر قدم پر شکر الٰہی کے پیکر بنے رہے اور زبان پر شکر الٰہی کے سوا ایک لفظ بھی شکوہ و فریاد کا نہ لائے۔ آپ کے عقیدت شعار وفادار شاگرد امام زہری کو آپ کی گرفتاری کی خبر معلوم ہوئی تو تڑپ گئے اور دمشق میں عبد الملک بن مروان کے دربار میں پہنچ کر آپ کو رہا کرایا اور پھر پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو مدینہ منورہ لائے۔

بردباری

ایک دن حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ گھر سے تشریف لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک گستاخ نے آپ کو بُرا کہنا شروع کیا، آپ نے اس سے فرمایا کے بھائی! جو کچھ تم نے مجھے کہا ہے۔ اگر میں واقعی ہی ایسا ہوں تو خدا مجھے معاف فرمائے اور اگر میں ایسا نہیں تو خدا تجھے معاف فرمائے۔ وہ شخص یہ سن کر بڑا نادم ہوا اور بڑھ کر آپ کی پیشانی کا بوسہ دے کر کہنے لگا۔ حضور! میں نے جو کچھ کہا ہے آپ ہرگز ایسے نہیں ہیں بلکہ میں ہی جھوٹا ہوں۔ آپ میری مغفرت کی دُعا فرما دیں، آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ، خدا تجھے معاف فرمائے۔

روایت

ایک دن آپ مدینہ منورہ کی گلی میں جا رہے تھے کہ ایک قصاب کو دیکھا کہ ایک بکری کو زمین پر لٹایا ہوا ہے اور اُسے ذبح کرنے کے لئے چُھری پتھر پر تیز کر رہا ہے۔ یہ دیکھتے ہی آپ کی حالت غیر ہوگئی۔ والد ماجد کی شہادت یاد کر کے اس قدر روئے کہ ہچکیاں بند گئیں پھر آپ نے اس قصاب سے پوچھا: اے بھائی! تو نے اس بکری کو دانہ پانی دیا ہے کہ نہیں؟ اس نے عرض کیا اے امام اس کو تین روز سے دانا پانی کھلا پلا رہا ہوں اور اس وقت بھی پانی پلا کر لایا ہوں یہ سن کر آپ نے سرد آہ کھینچی اور رو کر فرمایا: افسوس! کوفیوں نے میرے والد مظلوم کی بکری جیسی بھی قدر نہ کی کہ تین دن تک بھوکا پیاسا رکھ کر اسی طرح شہید کر ڈالا۔

عبادت و ریاضت

آپ نے اپنے والد بزرگوار سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دنیا کی لذتوں کو بالکل ترک کر دیا اور یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ شب و روز واقعات کربلا اور مصائب آل عبا کو یاد کر کے روتے تھے۔ نہ دن کو چین نہ رات کو آرام تھا۔ جب شفقت پدری اور ان کی بے کسی و بے بسی یاد آتی تو روتے روتے بے خود ہو جاتے اور زبان حال سے مضمون اس شعر کا ادا فرماتے:

بسنگ رخنہ شد از بس گریستم بے تو
زسنگ سخت ترم من کہ زیستم بے تو

آپ کی نماز

1۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے وضو کرنے بیٹھتے تو آپ کا چہرہ مبارک زرد ہو جاتا تھا اور جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تغیر رنگ کے باعث پہچاننا مشکل ہو جاتا تھا لوگ آپ سے دریافت کرتے اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا یہ کیسا حال ہو جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! نماز اللہ کے یہاں پیشی کا وقت ہے، کون ایسا نادان ہوگا جو رب کائنات کی پیشی کے وقت ہنستا اور کھل کھلاتا ہوا اس کی عدالت میں حاضر ہوگا۔

2۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہر روز شب میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھا کرتے تھے، ایک روز آپ اپنے مکان میں نفل پڑھ رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی، لوگ آگ بجھانے لگے، مگر آپ اُسی خشوع و خضوع سے نفل نماز ادا کرتے رہے، جب آگ بجھ گئی تو آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ لوگوں نے عرض کیا حضور! مکان کو آگ لگ گئی تھی ہم لوگ آگ بجھانے میں مصروف تھے مگر آپ نے پروا تک نہ فرمائی؟ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ یہ آگ بجھا رہے تھے اور میں آخرت کی آگ بجھانے میں مشغول تھا۔

3۔ امام طلحہ شافعی نے لکھا ہے کہ ایک بار محراب عبادت میں شیطان سانپ کی شکل میں ظاہر ہوا تا کہ امام علی ابن حسین رضی اللہ عنہ کے استغراق میں خلل ڈالے۔ اس نے آپ کی انگشت پا کو دانتوں میں دبایا، مگر آپ کی مشغولیت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ پڑا۔ آخر وہ پشیمان ہو کر دور جا کر کھڑا ہو گیا اور پھر یہ آواز تین بار فضا میں بلند ہوئی جو کہہ رہی تھی:

انت زین العابدین انت سید الساجدین

''آپ ہی عابدوں کی زینت ہیں آپ ہی سجدہ گزاروں کے سردار ہیں''۔

خوف خدا

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بڑے خدا ترس تھے، آپ کا سینہ گویا خوف و خشیت الٰہی کا گنجینہ تھا۔

روایت ہے کہ ایک بار آپ حج بیت اللہ کو تشریف لے جا رہے تھے اور حج کا احرام باندھا تو لبیک نہیں پڑھا۔ لوگوں نے پوچھا حضور! کیوں نہیں پڑھا؟ تو آبدیدہ ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ میں لبیک کہوں اور خدا کی طرف سے لبیک کی آواز نہ آئے کہ نہیں، نہیں تیری حاضری قبول نہیں، لوگوں نے عرض کیا حضور! بغیر لبیک پڑھے ہوئے آپ کا احرام کیسا ہوگا؟ تو آپ نے بلند آواز سے **لبیک اللھم لبیک** پڑھا، مگر ایک دم لرز کر خوف الٰہی سے اونٹ کی پشت سے زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے، لبیک پڑھتے اور پھر بے ہوش ہو جاتے یہاں تک کہ اسی حالت میں آپ نے حج ادا فرمایا۔

تلاوت قرآن حکیم

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جب تلاوت قرآن حکیم فرماتے تھے تو آپ کی خوش الحانی سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے اردگرد لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہو جاتی تھی اور حاضرین ایسے خود رفتہ ہو جاتے کہ ایک دوسرے کی خبر تک نہ ہوتی تھی۔

میدان کربلا سے واپسی

روایت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کے شہزادوں سمیت میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا تو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی باقی نہ بچا کہ عورتوں کی دیکھ بھال کر سکے۔ آپ اس وقت شدید بیمار تھے، جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر سوار کر کے دمشق میں یزید پلید کے سامنے لایا گیا تو کسی نے آپ سے پوچھا:

کیف اصحتم یَا عَلِیْ وَیَا اَھْلَ بَیْتِ الرحمة قَالَ اَصْبَحْنَا مِنْ قومِنَا بِمَنْزِلَةِ قَوْمِ مُوْسٰی مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یُذَبِّحُوْنَ ابناء ھُمْ وَیستحیونَ نِسَائَ ھُمْ فَلَانَدْرِیْ صبحنامن مساءنامن حقیقة بلاءنا۔

''یعنی اے علی، اے رحمت کے گھر والے! تم نے کیسے صبح کی؟ آپ نے جواب

میں فرمایا ہم نے اپنی قوم میں اس طرح صبح کی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعون میں صبح کی تھی کہ فرعونیوں نے ان کے بچوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچیوں کو زندہ رکھا لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ اس امتحان گاہ میں ہماری صبح شام کے مقابلے میں کیا حقیقت رکھے گی، ہم خدا کی نعمتوں پر شکر بجالاتے ہیں اور بلا و مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں بس یہ ہی ہماری مصیبت کی حقیقت ہے"۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جب کربلا سے لوٹنے لگے تو اپنی التجا و سلام عقیدت بارگاہ رسالت میں بڑے ہی درد بھرے انداز میں پڑھا تھا جو اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے وہ قصیدہ یہ ہے:

ان نلت یاریح الصبا یوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضۃً فیھا النبی المحترم

"اے بادصبا اگر تو کسی دن حرم کی سرزمین پر آجائے تو میر سلام اس روضۂ اقدس تک پہنچا جس میں عظمت والے نبی آرام فرما ہیں"۔

من وجھہ شمس الضحیٰ من خدہ بدر الدجی
من ذاتہ نور الھدیٰ من کفہ بحر الھمم

"وہ کون ہے جن کا چہرہ مبارک چڑھتا سورج اور جن کا رخسار ظلمتوں کا چاند ہے، وہ کون ہے جن کی ذات ہدایت کا نور اور جن کا دست مقدس عزم کا بحر بیکراں ہے"۔

قُرآنہ بُر ھاننا نسخا لا دیان مضت
اذ جاء نا احکامہ کل الصحف صبار العدم

"ان کا لایا ہوا قرآن ہمارے لیے دلیل ہے جو گزشتہ تمام دینوں کے لئے ناسخ ہے، جب اس کے احکام ہم تک پہنچے صحف آسمانی کالعدم ہوگئے"۔

اکبادُ نامجرُ وحۃمن سیف ھجر المصطفی
طوبیٰ لا ھل بلدۃٍ فیھا النبی المحتشم

"نبی کی جدائی کی شمشیر سے ہمارے دل زخمی ہیں، اس شہر والے کتنے خوش نصیب ہیں جس میں عظمت و جلال والے نبی تشریف فرما ئیں"۔

یا لیتنی کُنتُ کمن تبع نبیاً عالما
یوما و لیلاً دائما اُر زق کذالی بالکرم

"اے کاش! میں اس شخص جیسا ہوتا جو صاحب علم نبی کا روز و شب (بالدوام) پیروی کرنے والا ہو، اے خدائے کریم اپنے کرم سے، مجھے ایسا ہی بنادے"

لی حسرۃ اسمع کذالم اصف للمصطفیٰ
لی کل حین قدمضیٰ فی الحال مایحصل مم

"میرے دل میں ایک حسرت ہے کہ میں مصطفیٰ ﷺ کی گزرے ہوئے تمام اوقات میں وہ تعریف کیوں نا کرتا رہا جو ان کے بارے میں آج نصیب ہوئی"۔

یا مصطفےٰ یا مجتبیٰ ارحم علی عصیاننا
مجبورۃ اعما لنا طمعا و ذنبًا بالظلم

"اے مصطفیٰ اے مجتبیٰ ہمارے گناہوں پر رحم و کرم فرما، ہمارے اعمال حرص و ہوس سیہ کاریوں اور ظلم و جبر سے پر ہیں"۔

لست براج مفردا بل اقرا ب انی کلھم
فی القبر اشفع یا نبی بالصاد والنون القلم

"میں تنہا امیدوار نہیں بلکہ میرے تمام قرابت دار امید رکھتے ہیں، کہ نبی مکرم آپ آخرت میں ہماری شفاعت فرمائیں آپ کو صاد ر توق قلم کا واسطہ"۔

یا رحمتہ للعالمین ادرک لزین العابدین
محبوس ایدا لظالمین باللمو کب والمز دحم

"اے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی دستگیری فرمائیے جو بھیڑ اور ازدہام میں ظالموں کے ہاتھوں گھرا ہوا ہے"۔

یزید کی گستاخی

جب اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ یزید پلید کے دربار میں پہنچا تو اس نے زنان حرم محترم کو بھرے دربار میں بلایا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یزید پلید کی بدتمیزی پر فرمایا کہ اے بے حیا یزید! کیا تجھ میں شرم و غیرت کی کچھ بھی خو باقی نہیں رہی کہ تیرے گھر کی عورتیں جو اس کی بھی اہلیت نہیں رکھتیں کہ ہماری کنیزیں بن سکیں وہ تو پردہ میں بیٹھیں اور ہم جو ناموس رسول ﷺ ہیں جن کے گھر میں فرشتے بھی اجازت لے کر داخل ہوں انہیں تو اس طرح بے پردہ و بے حجاب بھرے دربار میں بُلا کر رسوا کر رہا ہے، ظلم و ستم کا ایک ایک تیر اہل بیت اطہار کے سینۂ صبر و استقلال پر آزما لیا گیا اب بھی تیری ظالمانہ پیاس نہیں بجھی؟ کیا اب بھی تیرا دل نہیں بھرا، ظالم کہیں ایسا نہ ہو کہ غیرت حق کو جلال آجائے اور قہرالٰہی کی بجلی تجھے جلا کر خاکستر کردے۔

اس تقریر سے یزید پلید کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا فوراً تمام مستورات عصمت کو پردہ میں بھجوا دیا اور سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا کہ تمہارے والد نے چاہا کہ منبروں پر ان کا نام لیا جائے ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے، مگر قدرت نے یہ قدر و منزل میری قسمت میں لکھی تھی ان کی آرزو کیسے پوری ہوتی، اللہ نے مجھے کامیاب کیا اور انھیں اس نعمت سے محروم رکھا۔

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی غیرت ہاشمی کو جوش آگیا اور فرمایا کہ او جھوٹے! انصاف سے کہہ کہ منبروں کو میرے باپ دادا نے بنایا یا تیرے باپ دادا نے، قرآن تیرے باپ دادا پر نازل ہوا یا میرے جدّ امجد جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی اس حقیقت بیانی کی تقریر نے یزید کی آتش غیظ و غضب کو اور بھڑکا دیا اور اتنا مشتعل ہوا کہ حواس باختہ ہوکر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالی عنہا نے یزید کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ او ہندہ کے بیٹے! خبردار قتل امام زین العابدین کا ارادہ بھی نہ کرنا ورنہ ابھی تک تو ہم صبر و ضبط سے کام لیتے آئے ہیں، اگر اب تو نے نسل پیغمبر کی اُس آخری نشانی کو بھی مٹانا چاہا تو اس کا انجام بہت خراب ہوگا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ خوف کی وجہ سے قتل سے باز آگیا۔

اتنے میں یزید پلید کا بیٹا آگیا، یزید کہنے لگا میرا یہ بیٹا اور آپ عمر میں برابر ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں میں کشتی ہو جائے دیکھتا ہوں کون جیتتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تجھے یہی شوق ہے کہ میری رگوں میں ہاشمی خون جو دوڑ رہا ہے اس کی طاقت و قوت دیکھو تو ایک تلوار مجھے دیدو اور ایک اپنے بیٹے کو پھر دیکھو کس کا وار کاری ہے اور کون طاقتور ہے۔

معاً یزید کے محل سرا سے نوبت بجنے کی آواز آنے لگی۔ یزید کے بیٹے نے کہا بتاؤ یہ نوبت کس کی بج رہی ہے، میرے باپ دادا کی یا تمھارے باپ دادا کی؟ ابھی اس کی بے ہودہ بکواس ختم نہیں ہوئی تھی کہ مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: او ابن یزید! تیرے باپ کی نوبت تیرے اسی قصر نحوست میں بجے گی اور صرف اس وقت تک جب تک نقارہ سلامت ہے، لیکن مسجد سے میرے جد

کریم ﷺ کی نوبت کی آواز آرہی ہے جس کی گونج فرش سے عرش تک ہے وہ صبح قیامت تک باقی رہے گی۔ بتا تو سہی اشھد ان محمد رسول اللہ میرے جد امجد کے لیے ہے یا تیرے؟

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے یزید کچھ متاثر ہوا نیز اس پر کچھ خوف کا بھی غلبہ ہوا۔ کہنے لگا آپ مجھے کچھ فرمائش کریں میں پورا کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا تو اسے پورا کرے گا اور اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے تو میرے چار مطالبات ہیں تو اسے پورا کردے۔

☆ اول تو یہ کہ میرے والد محترم کے قاتل کو میرے حوالے کرتا کہ میں اُسے قتل کرسکوں۔

☆ دوم یہ کہ شہداء کے سروں کو مجھے دے تاکہ میں اُنہیں لے جا کر جسم ہائے مقدسہ کے ساتھ دفن کرسکوں۔

☆ سوم یہ کہ آج جمعہ کا دن ہے مجھے اجازت دے کہ میں منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھوں۔

☆ چہارم یہ کہ ہمارے لٹے ہوئے قافلے کو مدینہ پہنچادے۔

یزید نے ان چاروں سوالوں کو سن کر سب سے پہلے قاتل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا۔

لوگوں نے بتایا کہ خولی بن یزید ہے خولی بن یزید صاف انکار کر گیا اور کہا میں نے قتل نہیں کیا بلکہ سنان ابن انس ہے، سنان اپنا نام سن کر فوراً بول پڑا کہ میں امام کے قاتل پر لعنت بھیجتا ہوں قاتلِ حسین تو شمر ذی الجوشن ہے، تمام درباری بھی تصدیق کرنے لگے کہ واقعی قاتل حسین شمر ہی ہے، مگر شمر بھی صاف انکار کر گیا۔

یزید نے برہم ہو کر کہا آخر کسی نہ کسی نے تو قتل کیا ہو گا؟ یزید کے تیور دیکھ کر شمر کو بھی طیش آ گیا اور کہنے لگا میں کیوں قتل کرنے لگا؟ کیا حسین نے میری سلطنت دبا رکھی تھی؟ بلکہ اصل میں قاتل حسین وہ ہے جس کو خطرہ تھا کہ اگر حسین زندہ رہے تو میری سلطنت باقی نہ رہے گی۔ قاتل حسین وہ ہے جس نے قبائل کو جمع کیا انھیں ہتھیار دیے جاگیریں دیں، زر و جواہر بانٹے اور قتل حسین پر اُبھارا خود عشرت کدہ میں بیٹھا رہا اور دوسروں کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کیا چونکہ ساری زد یزید پر پڑ رہی تھی اس لیے وہ کہنے لگا کہ تم سب پر خدا کی لعنت ہو سب کے سب یہاں سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ قاتل امام کا مطالبہ تو درگزر کیجئے باقی آپ کے تمام مطالبات منظور ہیں۔

دمشق کی جامع مسجد

مطالبات کی منظوری کے بعد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ پڑھنے کی غرض سے تشریف لے گئے، جس وقت یزید جامع مسجد پہنچتا ہے تو دیکھتا کیا ہے کہ شام کے تمام امراء و رؤسا جمع ہیں۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے خطبہ پڑھنے سے میرا بنا بنایا کام بگڑ جائے، فوراً ایک شامی خطیب کو اشارہ کیا، وہ منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ شروع کر دیا، خطبہ کیا تھا، جھوٹ کا جیتا جاگتا شاہکار تھا جس میں آل ابو سفیان کی بے جا تعریف اور آلِ ابی طالب کی تحقیر و تذلیل اور سبطِ پیمبر کی بُرائیاں تھیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی اس غلط بیانی کو برداشت نہ کرسکی، آپ کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر فرمایا: **بیئس الخطیب انت** اے شامی تو انتہائی جھوٹا اور فتنہ پرور خطیب ہے، ایک فاجر و فاسق سیہ کار شخص کی خوشنودی کے لیے اللہ جل جلالہٗ کی نافرمانی کر رہا ہے اور اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مرتکب ٹھہراتا ہے اور اے یزید تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا آج مجھے خطبہ پڑھنے کا موقع دیا جائے گا پھر یہ وعدہ خلافی کیسی؟ یزید اس یاددہانی کے باوجود بھی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو خطبہ پڑھنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا مگر حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے اور اصرار کرنے لگے کہ اہل بیت اطہار کی شانِ خطابت بے مثل ہے آج ہم انہیں کا خطبہ سننا چاہتے ہیں۔

یزید اپنے حواریوں سے مشورہ کرنے لگا کہ امام زین العابدین اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کی فصاحت و بلاغت کا عرب و عجم میں ڈنکا بج رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاشمی شیر اپنی شاندار فصاحت و بلاغت سے پانسہ ہی پلٹ دے؟ یزید کے حواریوں نے جواب دیا کہ ابھی بچے ہیں اتنا سلیقہ کہاں؟ امید ہے کے وعظ و نصیحت کر کے خطبہ ختم کر دیں گے؟ مجبور ہو کر یزید نے آپ کو خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ شروع فرمایا۔ حمد و نعت کے بعد آپ نے جو کلمات ارشاد فرمائے اس کو علامہ ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نور العین میں بہت تفصیل سے نقل فرمایا ہے ان کلمات کا مفہوم حسب ذیل ہیں:

”اے لوگوں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا اور اس کی فریب کاریوں سے بچو، کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جو زوال پذیر ہے۔ اس کے لیے بقا نہیں ہے اس نے گزشتہ قوموں کو فنا کر دیا ہے حالانکہ تم سے زیادہ ان کے پاس مال و اسباب تھے، ان کی عمریں تم سے کہیں زیادہ لمبی تھیں۔ ان کے جسموں کو مٹی نے کھالیا اور ان کے حالات پہلے کی طرح نہیں رہے تو اب اس کے بعد تم دنیا و مافیہا سے کس بہتری کی اُمید رکھتے ہو؟۔ افسوس! افسوس خبردار ہوشیار ہو جاؤ کہ اس دنیا سے لپٹے رہنا اور اس میں مشغول ہو جانا بے فائدہ ہے۔ لہٰذا اپنی گزشتہ اور آئندہ کی زندگی پر غور کرو، نفسانی خواہشات سے فارغ اور مدت عمر ختم ہونے سے پہلے اس دنیا میں نیک کام کر لو جس کا اچھا بدلہ تمہیں آئندہ ملے گا، کیونکہ تمہیں ان اُونچے اُونچے محلوں سے بہت جلد قبروں کی طرف بُلائے جاؤ گے اور اچھے بُرے کاموں کے بارے میں تم سے حساب لیا جائے گا۔

خدا کی قسم بتاؤ کتنے تاجروں کی حسرتیں پوری ہوئیں؟ اور کتنے جابر ہیں جو ہلاکت کے گڑھوں میں گرے جہاں ان کی ندامت نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور نہ ظالم کو اس کی فریاد رسی نے اور اُسی کا صلہ انہوں نے پایا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا اور اے نبی ﷺ آپ کا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرتا“۔

”اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میرا نام علی ہے، میں حسین ابن علی کا بیٹا ہوں۔ میں فاطمہ زہرہ کا لختِ جگر ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا فرزند ارجمند ہوں، میں مکہ زادہ اور صفا و مروہ و منیٰ کا بیٹا ہوں۔ میں اس ذات قدسی صفات کا بیٹا ہوں جس پر ملائکہ آسمان صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے متعلق رب کائنات کا ارشاد ہے: **دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ**۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو شفاعت کُبریٰ کا مالک ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو قیامت میں ساقی حوضِ کوثر ہیں اور جو قیامت کے دن صاحب علم ہوگا، میں صاحب دلائل و معجزات کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز ہوگا، میں صاحب سخا و عطا کا بیٹا ہوں۔ میں اس شہنشاہ ذی وقار کا بیٹا ہوں جسے درخشندہ تاج پہنایا جائے گا، میں بیٹا ہوں صاحب براق

کا۔۔۔۔ بیٹا ہوں صفات وحکم اسماعیلی رکھنے والے کا، میں بیٹا ہوں، خدائے مالک ومعبود کے رسول برحق کا، میں بیٹا ہوں ابراروں کے سردار کا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کی جنت رضواں مخصوص ہے، میں اس کا بیٹا ہوں جو ظلم سے قتل کیا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کا سر نیزوں پر گھمایا گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے پیاسے جان دی، میں بانیٔ کربلا کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے عمامہ اور چادر چھین لیے گئے میں اس کا بیٹا ہوں جس پر آسمانی فرشتے روئے۔

اے لوگو! خدا نے اچھی آزمائش کے ساتھ ہمارا امتحان لیا ہمیں علم وہدایت عطا فرمائی اور ہمارے مخالفوں کو گمراہی کا جھنڈا پکڑایا اور ہمیں جملہ عالمین پر بزرگی عطا فرمائی اور ہمیں وہ دیا جو اہل عالمین میں کسی کو نہ دیا اور ہمیں پانچ چیزوں کے ساتھ مخصوص فرمایا جو مخلوق میں کسی میں نہیں پائی جاتی ہیں یعنی علم، شجاعت، سخاوت، محبت خدا اور محبت رسول اور ہمیں وہ عطا فرمایا جو مخلوق میں کسی کو عطا نہ فرمایا"۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور اس قدر ہیجان بڑھا کہ یزید نے گھبرا کر مؤذن کو اذان کا حکم دے دیا۔

حج بیت اللہ

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ حج بیت اللہ کے ارادے سے ایک سال مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے اور اسی سال ہشام ابن عبدالملک بن مروان بھی حج کو گیا ہوا تھا اور طواف کعبہ سے فارغ ہو کر اس نے چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے مگر ہجوم اس قدر تھا کہ ہشام بوسہ نہ دے سکا پھر وہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگا، عین خطبہ کے وقت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں داخل ہوئے چاند سا چہرہ، نورانی رخسار اور معطر لباس میں ملبوس طواف کرنا شروع کیا اور حجر اسود کے قریب جب آپ پہنچے تو لوگ ازراہ تعظیم حجر اسود کے اردگرد سے ہٹ گئے تا کہ آپ آسانی سے اسے بوسہ دے سکیں، اہل شام میں سے ایک شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو ہشام سے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین آپ کو تو لوگوں نے حجر اسود تک جانے کا راستہ نہ دیا حالانکہ آپ ان کے خلیفہ ہیں اور وہ نوجوان خوبرو کون ہیں کہ ان کے آتے ہی تمام لوگ حجر اسود سے ہٹ گئے اور ان کے لیے جگہ خالی کر دی؟ ہشام نے کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا (حالانکہ وہ آپ کو خوب جانتا تھا) اس انکار سے اس کی مراد یہ تھی کے اہل شام آپ کو نہ پہچان سکیں اور پہچاننے پر کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ سے محبت کرنے لگیں اور آپ کو امیر المومنین بنانے پر تیار ہو جائیں۔ فرزدق شاعر وہاں موجود تھا وہ کہنے لگا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابو فراس (فرزوق کی کنیت ہے) تو آپ ہمیں جلد بتائیں کہ وہ کون ہیں جو اتنے بارعب اور پر جمال ہیں؟

فرزدق نے کہا سنئے اس کا حال، صفت اور نامونسب میں بیان کرتا ہوں چنانچہ اس کے بعد ایک طویل قصیدہ پڑھا جو فضائل ومناقب کے ساتھ عربی ادب کا شاہکار ہے۔ پورا قصیدہ کشف المحجوب اور دوسری سوانح کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ یہاں صرف اس کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

هذا الذی تعرف البطحاء و طاء ته
و البیت یعرفه والحل و الحرم

"یہ وہ ہیں جن کے نشان قدم بطحا والے جانتے ہیں اور خانہ کعبہ وحل وحرم انہیں جانتے ہیں"۔

هذا ابن خیر عباد الله کلهم
هذا التقی النقی الطاهر العلم

یہ اللہ کے سارے بندوں میں سب سے بہتر بندے کا فرزند ہے پرہیزگار پاکیزہ نیکی میں مشہور شخص ہیں"۔

اسی طرح کے اور بہت سے اشعار فرزدق نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار کی مدح میں پڑھے۔ جس پر ہشام کو بہت غصہ آیا اور حکم دیا کہ اسے عسفان کے قید خانے میں بند کر دیا جائے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھا۔ اس کے بعد یہ خبر پوری تفصیل کے ساتھ لوگوں نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تک پہنچا دی، یہ خبر سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بارہ ہزار درہم اس کو پہنچا دیے جائیں اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اے ابو فراس ہمیں معاف کرنا کیونکہ ہم ابھی حالت امتحان میں ہیں اس لیے اسے زیادہ کچھ ہمارے پاس موجود نہیں ہے جو تمہیں بھیج سکیں۔

فرزدق نے بارہ ہزار درھم یہ کہہ کر واپس کر دیے کہ اے فرزندِ رسول خدا! سونے چاندی کے لیے تو میں نے بے شمار اشعار کہے ہیں جن میں جھوٹ اور مبالغہ کی کثرت ہوتی تھی لیکن یہ اشعار تو میں نے ان جھوٹی مدح خوانیوں کے کفارے کے طور پر خدا اور رسول خدا اور فرزندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر عرض کیے ہیں۔ جب وہ درھم اور ان کی کل باتیں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے پھر وہ رقم اس کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ رقم بہر حال اسے دے دو اور کہ دو کہ اگر ہماری محبت کا دم بھرتے ہو تو وہ چیزیں ہمیں نہ لوٹاؤ جو ہم تمہیں دے چکے ہیں اور اپنے مِلک سے اسے باہر نکال چکے ہیں۔

احترام خلفائے ثلٰثہ

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند اشخاص جو عراق کے رہنے والے تھے، حاضر ہوئے اور خلفائے ثلٰثہ یعنی حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق وامیر المومنین سیدنا عمر فاروق، سیدنا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان عالی وقار میں کچھ نامناسب الفاظ بولنے لگے، جب وہ لوگ بول چکے تو آپ نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ مجھ کو تم لوگ بتاؤ کہ کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

الذین اخر جوا من دیارهم و اموالهم یبتغون فضلاً من الله ورضوانا و ینصرون الله ورسوله أولٰئک هم الصدقون۔

"جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ ورسول کی مدد کرتے وہی سچے ہیں"۔ (کنزالایمان)

اس بات کو سن کر ان لوگوں نے کہا ہم ان میں سے نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کیا ان لوگوں میں سے ہو جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

والذین تبو والدار وا لایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صُدورهم حاجة مما أوتوا ویوثرون علٰی انفسهم ولو کان بهم خصاصة۔

"اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا۔ دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو رہ گئی اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں

اگر انہیں شدید محتاجی ہو۔

اس آیت سے انصار مُراد ہیں؟ اہل عراق نے اس کو سن کر مثل سابق انکار کیا، بعدہٗ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ تم لوگ اس قول خدا کے بھی مصداق نہیں ہو کہ

والذین جآؤ من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذاین سبقونا بالا ایمان ولا تجعل فی قلو بنا غلا للذین امنوا ربنا انک روف الرحیم۔

''اور جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے ربّ بیشک تو ہی نہایت مہربان اور رحم والا ہے''۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے نکل جاؤ۔

آپ کی تقریر کا ماحصل یہ ہوا کہ اہل عراق! اے بُرا کہنے والو خلفائے ثلثہ کے! یہ وہ لوگ ہیں جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور تم لوگ نہ مہاجرین میں سے ہو اور نہ انصار اور نہ ہی اس آخری قول کے مصداق ہو جس کا قائل تمام اہل ایمان کو ہونا چاہئے، لہٰذا تم لوگ بہت بُرے ہو اس لئے یہاں سے دور ہو اور میرے پاس سے چلے جاؤ۔

کرامات
دست مبارک کی برکت

روایت ہے کہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے طواف میں ایک مرد اور عورت کا ہاتھ سنگ اسود سے چمٹ گیا۔ اس نے چھڑانے کی ہزار کوشش کی مگر اپنے ہاتھ کو نہ چھڑا سکا۔ لوگوں نے کہا کے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اتنے میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اپنا ہاتھ لگایا آپ کے دست مبارک کے لگتے ہی اس کا ہاتھ فوراً چھوٹ گیا۔

ہرن کی فرمانبرداری

روایت ہے کہ ایک بار آپ اپنے چند اصحاب کے ساتھ بغرض تفریح جنگل میں تشریف لے گئے، جب دستر خوان بچھا اور سب لوگ کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک ہرن جاتا ہوا نظر پڑا۔ آپ نے ہرن کو بلایا کہ ادھر آ اور میرے ساتھ کھانا کھا، ہرن فوراً چلا آیا اور قدرے کھانا کھا کر چلا گیا۔

ہرن کی فرمانبرداری

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک جنگل میں افروز تھے ایک ہرنی آئی اور زمین پر لوٹ کر فریاد کرنے لگی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک قریشی اس کا بچہ پکڑ کر لے گیا ہے اسی کی یہ فریاد کر رہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس قریشی کو اس کے بچے کے ساتھ بلوایا اور اس سے فرمایا کہ اے شخص اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے بچے ظلم اور قید سے محفوظ رہیں تو اس کے بچے کو چھوڑ دے، چنانچہ اس نے بچہ کو چھوڑ دیا ہرنی بچہ پا کر کچھ بولی اور چلی گئی۔ لوگوں نے پوچھا یا ابن رسول اللہ! یہ کیا کہتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کہتی ہے؟ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔

آپ کی دُعا کا اثر

منہال ابن عمر سے منقول ہے کہ ایک بار میں حج بیت اللہ کی غرض مکہ معظّمہ گیا ہوا تھا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تھے۔ میں آپ کی ملاقات کو گیا اور قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ مجھ سے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ خزیمہ بن کاہل الاصفری کا کیا حال ہے (یہ شخص قتل امام حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھا)؟ میں نے عرض کیا کہ اس کو کوفہ میں زندہ چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھایا اور فرمایا اللھم ارزقہ الحدید یعنی اے اللہ اس کو آتش سوزاں کے حوالے کر۔

راوی کا بیان ہے کہ جب میں کوفہ واپس آیا تو مختار بن عبید خروج کر چکا تھا۔ میری مختار سے دوستی تھی اس لیے میں اس کی ملاقات کو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی سوار ہو چکا ہے میں اس کے ساتھ چلا یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچ کر وہ ٹھہر گیا اور خزیمہ کو گرفتار کر کے لوگ لائے۔ مختار نے حکم دیا کہ فوراً اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو! جلاد نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور لکڑیوں کے انبار میں ڈال کر اس کو جلا دیا۔

میں یہ دیکھ کر سبحان اللہ پڑھنے لگا تو مختار نے مجھے اس کا سبب پوچھا میں نے سارا قصہ آپ کی ملاقات اور خزیمہ کے حق میں بددعا کرنے کا کہا۔ یہ سنتے ہی مختار گھوڑے سے اتر پڑا اور دوگانہ شکریہ ادا کیا، راستہ میں میرا مکان پڑتا تھا۔ وہ مکان پر آیا میں نے کھانے کی دعوت دی اس نے کھانا نہیں کھایا اور کہا اے دوست! اللہ تعالیٰ نے علی بن حسین کی دعا قبول فرما کر آج خزیمہ کو میرے ہاتھ سے سزائے اعمال کو پہنچایا اور میں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل سے ان کے قتل کا انتقام لیا۔ اس کے شکریہ میں آج میں روزہ سے ہوں۔

سنگ اسود کی گواہی

منقول ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت محمد حنیف منصب امامت کے دعویدار ہوئے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لا کر فرمانے لگے کہ میں آپ کا چچا اور عمر میں بھی آپ سے بڑا ہوں، آپ تبرکات حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میرے حوالے کر دیں۔ آخر دونوں حضرات نے اس دعوے کے انفصال کے واسطے سنگ اسود کو منصف قرار دیا اور دونوں حضرات سنگ اسود کے پاس تشریف لے گئے۔

آپ نے سنگ اسود سے کہا: اے سنگ اسود اس بات کا تصفیہ تیرے ذمے ہے کہ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بعد ہم دونوں میں سے کون امام برحق اور مستحق امامت ہے؟ تو حجر اسود بزبان فصیح گویا ہوا کہ حق تعالیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد منصب امامت و ولایت باطنی حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ یہ سن کر حضرت محمد حنیف اپنے دعویداری سے باز آئے۔

اولاد کرام

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی جملہ اولاد کرام کی تعداد پندرہ تھی۔ جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت محمد کنیت ابی جعفر اور لقب آپ کا باقر ہے۔
۲۔ حضرت زید
۳۔ حضرت عمران
۴۔ حضرت عبداللہ
۵۔ حضرت حسن
۶۔ حضرت حسین
۷۔ حضر تحسین اصغر
۸۔ حضرت عبدالرحمن
۹۔ حضرت سلیمان
۱۰۔ حضرت علی
۱۱۔ نام معلوم نہیں،

مگر بغیہ الطالب میں دس ہی لڑکوں کا ذکر ہے اور صاحبزادیاں یہ تھیں:

۱۲۔ حضرت خدیجہ
۱۳۔ حضرت فاطمہ
۱۴۔ حضرت علیہ
۱۵۔ حضرت ام کلثوم

رضوان اللہ علیہم اجمعین

نسل آپ کی حضرت محمد باقر، زید، عبداللہ، حسین

گلہائے عقیدت بحضور سید الشہدا

کرتا ہوں ذکر سید عالی مقام کا
نور نگاہ خواجہ خیر الانام کا

میرا امام سارے شہیدوں کا بادشاہ
یا کہیے تاجدار ہے ملک دوام کا

ہر حرف ہے ''حسین'' کا گنجینہ شرف
کتنا عظیم نام ہے مرے امام کا

حقانیت کی ''ح'' سیادت کا ''س'' ہے
''ی'' یاد ربّ کی ''ن'' ہے نور تمام کا

سجدے دراز کرتے ہیں ان کے لیے حضور
کیا ہو جواب دہر میں اس احترام کا

جس کو نبی سے پیار آل نبی سے بیر
سچ پوچھیے تو ایسا مسلماں ہے نام کا

پہنچتے ہیں ایک جست میں کربل سے خلد تک
اللہ رے خرام اس محشر خرام کا

عبرت سے دیکھیے جو حکومت یزید کی
یہ راج باج نام ہے دانہ و دام کا

کس قدر سنگدل تھے یزیدی جہان میں
عشرت کے احترام نہ ماہ حرام کا

آئینہ رسول اے لخت دل بتول
میں بھی گدا ہوں آپ کے فیضان عام کا

آسی طفیل شیخ میں ان کا ہوں مدح خواں
رکھتے ہیں جو سدا بھرم اپنے غلام کا

پیر وفیسر محمد حسین آسی

اصغر، عمران اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے باقی ہے جن سے کثیر اولاد کرام پیدا ہوئیں۔

ہر مصیبت کی دافع دعا

منقول ہے کہ ایک بار حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے حجر اسود کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب اُس نے آپ کو دیر تک سجدے میں پایا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ ایک مرد صالح اہل بیت نبوت سے ہے سُننا چاہئے کے سجدے میں کیا پڑھ رہے ہیں۔ جب اس نے سنا تو آپ یہ کہہ رہے تھے:

فهم عبدک بفنائک مسکینک بفنائک فقیرک بفنائک ۔

''یعنی اے خدا یہ بندہ کمزور تیری پناہ چاہتا ہے، یہ تیرا مسکین تیری پناہ ڈھونڈتا ہے۔ یہ تیرا سائل تیری امان طلب کرتا ہے، یہ تیرا فقیر تیری پناہ کا خواستگار ہے''۔

ناقل کہتا ہے کہ خدا کی قسم جب میں نے اس دعا کو کسی مصیبت میں پڑھا تو اس سے نجات پائی۔

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ نیک بخت اور سعید کون ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

من اذا رضی لم یحمله رضاه علی الباطل واذا سخط لم یخرجه سخطه من الحق۔

''یعنی وہ شخص جب راضی ہو تو اس کی رضا اس کو باطل پر آمادہ نہ کرے اور جب ناراض ہو تو اس کی ناراضگی اسے حق سے نہ نکالے''۔

یہ وصف راست لوگوں کے اوصاف کمال میں سے ہیں اس لیے کہ باطل سے راضی ہونا بھی باطل ہے اور غصہ کی حالت میں حق کو ہاتھ سے چھوڑنا بھی باطل ہے۔ مومن کی شان نہیں کہ وہ باطلان میں مبتلا ہو۔

وصال

آپ کو ولید بن عبدالملک نے زہر دیا اس سے آپ کی شہادت 18 محرم الحرام اور بقول بعض 12 محرم، 26 محرم الحرام یوم شنبہ یا دوشنبہ کو 57 یا 58 سال کی عمر میں ہوئی، مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ مزار مقدس آپ کا جنت البقیع میں قبہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ میں ہے۔

بعد وصال

آپ کے وصال کے بعد آپ کی سواری کی اونٹنی آپ کی قبر شریف پر سر ڈال کر پڑ گئی اور آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ہر چند اسے اُٹھایا مگر وہ نہ اُٹھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ اسی جگہ جان دے دے گی۔ آخر ایسا ہی ہوا۔

قرآنِ حکیم کی روشنی میں بارگاہِ الٰہی کے آداب

ملک محبوب الرسول قادری

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسلام کو پسندیدہ دین اس لیے قرار دیا کہ یہ دینِ فطرت ہے اور اس میں معاشرتی اصلاح وفلاح کے تمام تر ضابطے بطریقِ احسن موجود ہیں۔اسی وجہ سے مسلم برادری، پسندیدہ اُمت قرار پائی کہ مسلمانوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں بہترین اُصول عطا کیے گئے ہیں۔تعلقات کی ذیل میں ظاہر ہے خالق ومخلوق کا تعلق سب سے پہلا تعلق ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلوق اور حضور سیّد عالم نورِ مجسم ﷺ کی وفادار اُمت ہیں۔بارگاہِ الٰہی کے بھی کچھ آداب ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہی اس کی بارگاہ کے آداب سے کماحقہٗ آگاہ ہوتے ہیں۔آیئے! قرآنِ حکیم کی روشنی میں بارگاہِ خداوندی کے آداب ملاحظہ کریں تاکہ ہم اپنے خالق ومالک کی رضا وخوشنودی حاصل کرسکیں۔

بارگاہ الٰہی کے پہلے نافرمان ''ابلیس'' نے انکارِ سجدۂ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا تو پھر ربّ کریم سے کہنے لگا۔''۔۔۔بولا:''تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا''۔(الاعراف:16)۔اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ خزائن العرفان مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ابلیس یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ۔۔۔''بنی آدم کے دل میں وسوسے ڈالوں اور انہیں باطل کی طرف مائل کروں، گناہوں کی رغبت دلاؤں، تیری اطاعت وعبادت سے روکوں اور گمراہی میں ڈالوں گا''۔لعنت کا طوق گلے میں ڈال لینے کے بعد یہ تھا ابلیس کا ردِعمل۔

اب دوسری طرف حضرت آدم علیہ السلام سے جب لغزش ہوئی تو ان کا انداز، لہجہ اور اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضری پر غور کیجیے۔انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تُو نے مجھے اس طرف متوجہ کیا یا تُو نے ہی توفیق دی، نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کا رجوع الی اللہ کا انداز کیا تھا؟ اس پر بھی قرآنِ حکیم گواہ ہے ملاحظہ ہو۔''دونوں نے عرض کی، اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنا آپ بُرا کیا۔تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے''۔(الاعراف:23)۔

اب ذرا حضرت آدم ومائی حوا کے انداز اور ابلیس کے خبیث ردِعمل میں فرق ملاحظہ کیجیے۔ابلیس نے ربّ کریم کی بارگاہ کے آداب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا اور بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنے جرم اور غلطی کا ذمہ دار بھی اللہ تعالیٰ کو قرار دے دیا جبکہ حضرت آدم ومائی حوا نے مؤدبانہ طریقے سے اپنی لغزش کا اعتراف کر کے معافی طلب کی اور پھر حضور ﷺ (جو کہ محبوب ربّ العالمین ہیں) کے وسیلہ سے معذرت کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ومہربانیوں سے سرفراز کردیا۔

قرآن کریم نے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے سمندر میں کشتی رانی کرنے والے مسکین بچوں کی کشتی کو عیب دار کیا اور مقصود یہ تھا کہ ڈاکو عیب دار سمجھ کر چھوڑ جائیں گے اور مسکین لڑکے اپنا رزق یونہی حاصل کرتے رہیں گے تو کشتی میں عیب ڈالنے کے عمل کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کیا۔''میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں''۔(الکہف:79)۔جبکہ انہی خضر علیہ السلام نے جب دو یتیم بچوں کی گرتی ہوئی دیوار کو ازسرِنو تعمیر کر کے ان کے دبے ہوئے خزانہ کو محفوظ کیا کیونکہ ان کا باپ اللہ کا ولی تھا۔(اور مفسرین نے لکھا ہے کہ ان بچوں کی آٹھویں دسویں پشت میں ان کا باپ ولی اللہ تھا) تو اپنے اس عمل کو یوں بیان فرمایا:''تو آپ کے ربّ نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں''۔(الکہف:82)۔اب ذرا توجہ درکار ہے یعنی جب عیب اور نقص کو بیان کرنا تھا تو اس کو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا جبکہ بھلائی، بہتری اور خوبی کو بیان کرنا چاہا تو رضائے ربّ کو مدِنظر رکھا اور فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے امر سے تھا۔(سبحان اللہ)

سارے کے سارے انبیائے کرام علیہم السلام بارگاہِ الٰہی کے آداب سکھانے کے لیے مبعوث کیے گئے اور انہوں نے اپنی یہ ذمہ داری بحسن وخوبی ادا فرمائی۔ خوش بخت تھے وہ لوگ، جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور ان کے منہج کو اپنایا۔حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے ربّ کی عظمت وکبریائی یوں بیان فرماتے ہیں کہ''وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے''۔(الشعراء:78۔80)۔

حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ یعنی''میرے امراض دور کرتا ہے، ابن عطا نے کہا کہ معنیٰ یہ ہیں کہ جب میں خلق کی دید سے بیمار ہوتا ہوں تو مشاہدۂ حق سے مجھے شفا عطا فرماتا ہے''۔(اللہ اکبر)۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تخلیق، ہدایت، رزق اور صحت سب کچھ اپنے ربّ کی مہربانیوں سے منسوب کردیا۔حق بندگی بھی یہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو، اللہ کے سوا؟''(المائدہ:116)۔تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا''اگر میں نے ایسا کہا تو ضرور تجھے معلوم ہوگا۔تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔بے شک تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے''(المائدہ:116)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر جواب دینے کو تو دیا جاسکتا تھا کہ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔میں نے ان کو ایسا کب کہا ہے؟

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے ادب واحترام کے پیش نظر ایسا نہیں کہا بلکہ یہ عرض کر دیا کہ اگر میں نے ایسا کہا ہو تو اے میرے ربّ تو خوب جانتا ہے۔ بلکہ پھر جب اپنے انہی اُمتیوں کی سفارش کرنا چاہی تو یہ نہیں کہا کہ اب انہیں عذاب نہ دیا جائے بلکہ اس کے لیے جو اسلوب اختیار کیا وہ بڑا حسین اور دلنشین ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا "اگر تُو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تُو بے شک تو ہی غالب، حکمت والا ہے"۔ (المائدہ:118)۔

صاحب تفسیر خزائن العرفان نے اس آیت کی ذیل میں لکھا ہے کہ

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہے کہ قوم میں بعض لوگ کفر پر مُصر (ڈٹے ہوئے) ہیں۔ بعض شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ اس لیے آپ کی بارگاہ میں یہ عرض ہے کہ ان میں سے جو کفر پر قائم رہے ان پر تو عذاب فرمائے تو بالکل حق و بجا، اور عدل وانصاف ہے کیونکہ انہوں نے حجت تمام ہونے کے بعد کفر اختیار کیا اور جو ایمان لائے انہیں تو بخشے تو تیرا فضل وکرم ہے اور تیرا ہر کام حکمت والا ہے"۔

ایسے ہی جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے لیے آسمان سے کھانے اُترے تو انہوں نے یوں شکرانہ ادا کیا کہ "اے میرے ربّ! میں اس کھانے کا جو تو نے میرے لیے اُتارے، محتاج ہوں"۔

(القصص:24)

یعنی آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایسے نہیں کہا کہ مجھے کھانا کھلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کے سامنے اپنے عجز وانکسار کا اظہار فرمایا۔ یہ حسن طلب ہے۔

(سبحان اللہ)

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو شدید تکلیف بڑھی تو یہ نہ کہا کہ مجھے صحت یاب کر، بلکہ اپنے ربّ سے یوں ملتجی ہوئے۔

"اور ایوب کو (یاد کرو) جب اس نے اپنے ربّ کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے"۔

اور پھر حضور امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ساری زندگی اور شبِ معراج لقائے ربّ کے دوران بھی عجز وانکسار کا تحفہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جس کے جواب میں ربّ کریم نے درود وسلام کے پھول برسائے۔ عبادت گزاری اور تلاوت ونوافل کے سبب جب ساری رات مشقت فرماتے اور قدم مبارک متورم ہو جاتے تو بالآخر حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا سلام اور پیغام لائے کہ

"اے جھرمٹ مارنے والے! رات میں قیام فرما، سوا کچھ رات کے، آدھی رات یا اس سے کچھ کم (آرام) کرو یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو"۔

(المزمل:1 تا 4)

بعد ازاں کثرتِ عبادت کے سبب، جب حضرت عائشہ صدیقہ علیہا السلام عرض کرتیں کہ اب تو آپ آرام فرما لیا کریں تو میرے آقا ومولا مرشد کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے کہ اے عائشہ! کیا میں اپنے ربّ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔ اللہ اکبر۔

ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب تعلیم فرمائے۔ جیسے نماز مومن کی معراج ہے اور نماز سے پہلے وضو بنیادی شرط ہے جو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب میں سے ہے۔ ایسے ہی کپڑوں کا پاک صاف ہونا، جگہ کا پاک ہونا وغیرہ۔ صوفیائے کرام اور اولیائے اُمت تو بڑے اہتمام سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے تھے۔ حضور پُرنور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ السلام تو خصوصی طور پر عمدہ لباس زیب تن فرما کر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آپ کا واقعہ مشہور ہے کہ عید کے روز کمرہ بند کر کے آہ زاری کر رہے تھے، کسی نے کہہ دیا حضور والا! آج تو خوشی کا دن ہے رونے دھونے کا نہیں۔ فرمایا کہ! عید تو اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رہا اور میں تو اس دن کو عید سمجھوں گا جب کامل ایمان کے ساتھ دنیا سے جاؤں گا۔

آج کل بعض شتر بے مہار قسم کے لوگ جو منہ میں آتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بکتے چلے جاتے ہیں اور بعض دفعہ انجانے میں انسان ناشکری کے کلمات منہ سے نکال دیتا ہے جو سخت بے ادبی اور نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ یہ شیطان کے وسوسے اور اس کے چیلوں کی کارستانی کا ثمرہ ہے۔ لہٰذا مسلمان کو ہمہ وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے خالق ومالک کی رضا اور خوشنودی کے حصول میں ہی متوجہ رہے ورنہ شیطان اپنے منصوبوں میں کامیابی کے لیے انسان کو گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ شاید اسی لیے چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرما گئے کہ

سُونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہنا، چوروں کی رکھوالی ہے

اللہ تعالیٰ جب کسی کو ایک تکلیف دیتا ہے تو اس کے بعد اسے دو سہولتیں اور دو خوشیاں عطا فرماتا ہے۔
سو تکلیف پر کڑھنا نہیں چاہیے اور مصیبت پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔
سختیوں کے ساتھ آسانی، صبر کے ساتھ کامیابی اور غم واندوہ کے ساتھ خوشحالی کے تحفے لابدی ہیں۔

قبلہ شاہ جی صاحب کی تفسیر "تبصرہ" میں سورہ "الم نشرح" سے ایک اقتباس | منجانب | عبداللہ یٰسین ٹریولز

سیدنا امام حسین علیہ السلام اور کربلا

آصف بلال آصف

کانپ اُٹھے ارض وسما، دشت وجبل تھرا اٹھے
خاک پر جس وقت تڑپا، فاطمہؓ کا لاڈلہ

تاریخ کا مسافر ایسے ویرانے میں پہنچ کر حیران کھڑا ہے جہاں ہر سو انسانوں کے کٹے ہوئے لاشے اور خون بکھرا پڑا ہے۔۔۔۔۔

لاشے نوجوانوں کے بھی ہیں اور معصوم بچوں کے بھی۔۔۔۔۔

کہیں نوجوان علی اکبر کا تڑپتا ہوا لاشہ ہے۔۔۔۔۔

کہیں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہوا ماہتاب شہزادہ قاسم اپنے ہی خون سے مہندی لگا چکا ہے۔۔۔۔۔

ایک طرف تو شیر خوار بچے کے حلق میں تیر اٹکا ہوا ہے۔۔۔۔۔

دوسری طرف ایک سر ہے جو نیزے پر لٹکا فضا میں لہرا دیا گیا ہے۔۔۔۔۔

قریب چند خیمے ہیں جنہیں آگ لگائی جا چکی ہے۔۔۔۔۔

اب ان خیموں سے آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔۔۔۔۔

ان خیموں میں وہ پاک باز عورتیں ہیں جنہیں کبھی آسمان نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔۔۔۔۔

وطن سے دور ان عورتوں کا واحد سہارہ ایک فرد ہے اور وہ بھی بیمار۔۔۔۔۔

جس کے کمزور ناتواں کندھوں پر ان عورتوں کی نگرانی اور کفالت کا بوجھ ہے۔۔۔۔۔

وہاں اس کی وراثت فقط بے گور وکفن لاشے ہیں جنہیں دفن کرنے کیلئے کوئی اس کا ساتھ دینے والا بھی نہیں۔۔۔۔۔

ذرا غور کیجیے۔۔۔۔!

یہ خانہ ویرانی کس کی ہوئی۔۔۔۔؟

نیزے پر لہراتا ہوا سر کس کا ہے۔۔۔۔؟

خاک میں لپٹے ہوئے یہ ہونٹ کس کے ہیں۔۔۔۔؟

ہاں یہ وہی ہونٹ ہیں۔۔۔۔۔جنہیں وہ ہونٹ چومتے تھے جن سے وحی کے مقدس پھول جھڑتے تھے۔۔۔۔۔

یہ سر وہی ہے جسے جنتی نوجوانوں کی سرداری کا تاج پہنائے جانے کا وعدہ خود سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا۔۔۔۔۔

اب وہ سر تاج پوشی کے لیے تیار ہے۔۔۔۔۔جو آج اپنے ہی خون اور اپنی بوٹیوں کا سہرہ پہنے ہوئے ہے۔۔۔۔۔

کٹنے والا یہ خاندان وہی تھا جس کی رگوں میں اس نبی مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیمتی واعلیٰ خون بہہ رہا تھا جس نے زندگی بھر کسی کو بھی ذرا بھر تکلیف نہ دی تھی۔۔۔۔۔بلکہ پتھر مارنے والوں کو بھی دعاؤں سے نوازا تھا۔۔۔۔۔

ساری دنیا کے نئے سال خوشی سے شروع ہوتے ہیں مگر مسلمانوں کا سال سیدنا امام حسین علیہ السلام کی قربانی سے شروع ہوتا ہے۔اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پر ختم ہوتا ہے۔

آل رسول علیہ السلام سے بغض رکھنے والے ذکر حسین سے منع کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی دینی مسئلہ ہے۔۔۔۔۔؟

سچی بات تو یہ ہے کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام صرف کربلا میں ہی شہید نہیں ہوئے بلکہ ان پر تیروں کی بارش اب بھی ہو رہی ہے۔۔۔۔۔

مسلمانوں کا سال قربانی سے شروع ہو کر قربانی پر ختم ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو پتہ چلے کہ ان کے قدم جس راستے پر ہیں وہ تلواروں کی دھار پر چلنا ہے۔۔۔۔۔دین کے لیے جان دے دینا ہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔

نہ می بینی کہ آں شاہ نکو نام
بدست سر بریدہ می دہر جام

۔۔۔۔۔تم دیکھتے نہیں کہ اللہ اپنی محبت کا جام ان کو پلاتا ہے جن کے سر کٹے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔

ایک جگہ پر ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں تھا اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔۔۔۔۔یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا اور بتدریج ترقی کرتی ہوئی یہ حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں پہنچ کر گم ہو گئی تھی اس حقیقت کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی سر فروشی سے مکمل کر دیا۔۔۔۔۔

اس بات کو علامہ اقبالؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل

دین اسلام جان مانگتا ہے اور جان بھی اس کی چاہتا ہے جو بے عیب ہو جیسے ہم قربانی کے لیے بے عیب جانور تلاش کرتے ہیں ہمارے انتخاب میں تو غلطی ہو سکتی ہے لیکن اللہ کا انتخاب بے عیب ہوتا ہے۔۔۔۔۔

عشق کی قربان گاہ میں سوائے اچھے اور نیک لوگوں کے کوئی ذبح نہیں ہوتا۔۔۔۔۔یہاں بری صفات والے اور بد خو قربان نہیں کیے جاتے۔۔۔۔ برے لوگوں کو اس راہ کی توفیق ہی نہیں دی جاتی۔۔۔۔۔کچھ دانشور ہوتے ہیں جو حکومت وقت کی کاسہ لیسی سے مال کماتے ہیں مگر کچھ جان فروش ہوتے ہیں وہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی طرح حق کے لیے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام کا واقعہ اسلامی تاریخ میں روشنی کا مینار ہے۔۔۔۔۔ہر دور میں سچ کا ساتھ دینے والوں اور بدی سے ٹکرانے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔۔۔۔۔قرآن حکیم کی تفسیر سمجھ ہی امام حسین علیہ السلام سے آتی ہے۔جب امام حسین علیہ السلام کو سمجھا تو پتہ چلا

کہ مسلمان طاغوتوں اور ظالموں کے سامنے سر جھکانے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔۔۔۔

ذرا سوچیے۔۔۔۔! ان ظالموں کے خلاف حضرت امام حسین علیہ السلام کیوں نہ نکلتے۔۔۔۔

امام حسین علیہ السلام نے سوچا کہ آج نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں۔۔۔۔۔ نہ حضرت علی علیہ السلام موجود ہیں۔۔۔۔۔ نہ حضرت حسن علیہ السلام موجود ہیں۔۔۔۔۔ صرف میں جانشین رسول موجود ہوں۔۔۔۔۔ اور یہ بات سب لوگ سمجھتے ہیں کہ میرے علاوہ ساری دنیا بھی یزید کی بیعت کر لے تو اس کو وہ قانونی حیثیت نہیں ملے گی جو میرے بیعت کرنے کے بعد اسے حاصل ہو گی۔۔۔۔۔ اگر میں یہ اعلان کر دوں کہ یہ خلیفہ برحق ہے۔۔۔۔۔ جو نماز نہیں پڑھتا۔۔۔۔۔ شراب پیتا ہے۔۔۔۔۔ جس نے دین رسول بیچ دیا ہے۔۔۔۔۔ تو یزید کو سند مل جائے گی۔۔۔

لہذا میں جان دے سکتا ہوں۔۔۔۔۔ میرے بچے مارے جا سکتے ہیں۔۔۔۔۔ میری بچیاں قیدی بن کر شہر شہر دھکے کھا سکتی ہیں۔۔۔۔۔ مگر میں دین کو دفن نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ یہ تھا وہ عظیم مقصد جس کی وجہ سے کربلا۔۔۔۔۔ کرب و بلا بن گئی۔۔۔۔۔

آج کے لوگوں کے لیے تو امام حسین علیہ السلام ایک نام ہے مگر اس صدی کے لوگ تو جانتے تھے کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا لگتے ہیں۔۔۔۔۔ اور ان کی بیعت کی کیا اہمیت ہے۔۔۔۔۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام سادہ لوح نہیں تھے کہ لوگوں کے کہنے میں آ گئے وہ بہت دانا تھے وہ کوفہ میں رہ چکے تھے۔۔۔۔۔

وہ ایک ایک آدمی کو جانتے تھے۔۔۔۔۔ وہ لوگ ان کے والد کے ساتھی رہ چکے تھے۔۔۔۔۔ ان کے متعلق امام کو کوئی شبہ نہ تھا۔۔۔۔۔

اس وقت ملوکیت کی شکل میں سب سے بڑی قیامت آ چکی تھی۔۔۔۔۔

اور یزید کی حکومت اس کی بدترین مثال تھی۔۔۔۔۔

جب یہ قیامت آ رہی تھی تو اس وقت امت کی زبانیں گنگ کر دی گئی تھیں۔۔۔۔۔

اور ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے تھے۔۔۔۔۔

اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی وارث حضرت امام حسین علیہ السلام ہی میدان میں آیا۔۔۔۔۔

اگر اسلام میں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام نکال دیا جائے تو اسلام کسی شے کا نام نہیں ہے۔۔۔۔۔

انہوں نے اپنا احتجاج نوٹ کروا دیا کہ جو ہو رہا ہے وہ غلط ہو رہا ہے۔۔۔۔۔

یہ درست ہے کہ ہوتا پھر بھی وہی رہا اور اس طوفان کا راستہ روکا نہ جا سکا۔۔۔۔۔

اور بہتر (72) ساتھیوں سے روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔۔۔۔۔

حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کو بھی ان لوگوں نے اپنی چالاکیوں اور منافقانہ رویوں سے تنگ کر رکھا تھا۔۔۔۔۔

اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو حکومت بھی انہی کی وجہ سے چھوڑنا پڑی تھی۔۔۔۔۔

وہ سمجھتے تھے کہ اب کون ان کی مدد کو آئے گا۔۔۔۔؟

نہ کوئی مدد کو آنے والا تھا اور نہ وہ اس امید پر نکلے تھے۔۔۔۔۔

نہ انصافی پر مبنی اکثریتی فیصلے کو اکیلا جج بدل نہیں سکتا۔۔۔۔۔ لیکن اختلافی نوٹ دے کر وہ تاریخ میں زندہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔

ملوکیت کو کالعدم قرار دینے کے لیے یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا آخری قدم تھا۔۔۔۔۔

جب خدا اور اس کے رسول کے دشمن دنیا میں موجود ہیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کا کیا گلہ۔۔۔۔

دشمن اپنی موت مرتے رہیں گے۔۔۔۔۔ جبکہ امام زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔۔۔۔۔

اسلام کے عالمی مبلغ سید ابوالحسن ندوی اپنی کتاب المرتضیٰ میں لکھتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے والے برے سلوک سے تمام مسلمانوں پر ذلت چھا گئی۔۔۔۔۔ اس واقعہ کا وسیع پس منظر ہے یہ کوئی وقتی اشتعال نہیں تھا۔۔۔۔۔ بات بہت پہلے سے شروع ہوئی تھی۔ مگر بدقسمتی سے لوگوں نے اسے دین کا حصہ نہ سمجھا۔۔۔۔۔

حالانکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں حدیثوں میں پیش گوئی اور بعد از شہادت روح پاک نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہونے والے اثر کے متعلق صحیح احادیث کو مدِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی سیاسی نہیں بلکہ دینی جنگ تھی۔

حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے والوں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والوں کا شجرہ نسب تو دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں۔۔۔۔۔ ان کے بڑے کس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے تھے۔۔۔۔۔ تو یہ بالکل واضح ہو کر سامنے آ جائے گا کہ یہ بعد کی بات نہیں یا حکومت کی رٹ قائم کرنے کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ دیرینہ دشمنی تھی۔۔۔۔۔ دونوں فریق کئی پشتوں سے مدمقابل تھے۔

یزید پاگل نہیں تھا بلکہ اس نے خود کہا تھا کہ ہم نے غزوۂ بدر میں اپنے بڑوں کے قتل کا بدلہ لیا ہے۔۔۔۔۔ ان کے بڑے حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے تھے۔۔۔۔۔ غزوہ بدر کے مقتولین ہی دیکھ لیں۔۔۔۔۔ 70 میں سے 24 کافر حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے جہنم واصل ہوئے تھے۔۔۔۔۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ کفار کی اولاد گو کلمہ پڑھ چکی ہے مگر پرانی دشمنی اور قتل ان کو بھولے نہیں۔۔۔۔۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے واقعات کی پیشگی خبر دے دی تھی۔۔۔۔۔ اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام سے محبت رکھنے والوں سے اللہ محبت رکھے اور حضرت علی علیہ السلام سے بغض رکھنے والوں سے اللہ بغض رکھے اور یہ کہ ان سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔۔۔۔۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کے بعد فرمایا تھا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ ایک قرآن مجید اور دوسری اپنی اہل بیت۔۔۔۔۔ اور ان دونوں کے حوالے سے محتاط رہنے کا حکم بھی دیا تھا۔۔۔۔۔

لیکن امت پیغام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف ساٹھ سال کے اندر ہی بھول گئی اور وہ سانحہ دل خراش رونما ہوا کہ پوری امت کے سر شرم سے جھک گئے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ امت کو معاف فرمائے۔۔۔۔۔

آمین

❁❁❁

کٹنے والا یہ خاندان وہی تھا جس کی رگوں میں اس نبی مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیمتی و اعلیٰ خون بہہ رہا تھا

اہل معنیٰ کو ہے لازم سخن آرائی بھی
بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

سید ریاض حسین شاہ

آسمانی ستاروں سے لے کر زمینی چٹانوں تک ہر چیز اپنے اپنے وظیفہ جود وعطا کو بروئے کار لانے میں مگن ہے۔ ان من شی الا یسبح بحمدہ کی تفسیر بھی یہی ہے اور تقدیر کا اصل مفہوم بھی یہی ہے۔ اس الٰہی اور الوہی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں اس کے مظاہر دیکھنے کا انداز معین ہے۔ کان اگر سنتے ہیں تو ان سے دیکھا نہیں جا سکتا اور آنکھیں اگر دیکھتی ہیں تو ان سے سنا نہیں جا سکتا۔ ہاتھ اگر پکڑتے ہیں تو ان سے چلا نہیں جا سکتا اور قدموں سے اگر چلا جاتا ہے تو ان سے پکڑا نہیں جا سکتا۔ کائنات میں یہی متوازن نظام ایک الٰہ ہونے کی محکم دلیل ہے۔ روحانی یا وجدانی ارتقائی یا فکری راہوں سے اسی نقطہ اعتقاد پر پہنچ جانا توحید پر ایمان کہلاتا ہے۔ شعور وفکر کی اسی مشق کا نام ذکر ہے اور خالق سے محبت آمیز وابستگی قائم رکھنے کے لیے جو پابندیاں اور نشاط کے لیے جو آزادیاں بخشی جاتی ہیں وہ دین کہلاتا ہے۔ یاد رہے! دین بنائے نہیں جاتے، نازل ہوتے ہیں اور انھیں دیکھنے اور سمجھنے کے لیے ایک وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ وسیلہ بھی خود ساختہ نہیں ہوتا بلکہ نبوت کی صورت میں توقیفی ہوتا ہے۔ دین میں کوئی شخص ایک لفظ بھی بڑھا اور گھٹا نہیں سکتا۔ اگر کوئی یہ کریہہ جرم کرے تو مذہب کی زبان میں یہ تحریف کہلاتی ہے، جہاں تحریف ہوگی وہاں فرقے پیدا ہوں گے اور جہاں دین ہوگا وہاں الفت ہوگی، محبت ہوگی، انس ہوگا، لگاؤ ہوگا، نفرتوں کا مصدر دین نہیں ہوتا شیطانیت ہوتی ہے اور دین کے سوتوں سے تعصب پیدا نہیں ہوتے۔ پیار کی روشنیاں پھوٹتی ہیں جو صحیح معنوں میں اللہ والے ہوتے ہیں، وہ فرقہ باز نہیں ہوتے جماعت پابند ہوتے ہیں۔۔۔۔۔!

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز اللہ والے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ فرقہ باز نہیں تھے۔ ان کا دین، ان کا مسلک اسلام تھا۔۔۔۔۔ ان کی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کا قبلہ درست ہو جائے۔ جادۂ حق پوری ہمواریوں کے ساتھ انسانیت کو لے کر منزل کی طرف بڑھے۔ حضرت لالہ جی کی محفلوں میں مولویانہ تحقیر بازیاں نہیں تھیں۔ مذہبی پھبتیاں نہیں تھیں۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کو کوئی اپنی یونیفارم نہیں دی ''صبغۃ اللہ اور صبغۃ الرسول'' کی رونقیں بانٹیں۔

ہری پور کے مضافات میں جوگی موہڑہ نامی ایک گاؤں میں ایک مولوی صاحب آپ سے الجھ گئے اور پوچھنے لگے۔

''کیا آپ مسلمان ہیں؟''

لالہ جی صاحب: ''اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں'' مِنْ اَبْ اِلیٰ جَدْ ہاشمی نسبت رکھنے والے مسلمان تھے لیکن کسی شخص کے مسلمان ہونے کا حقیقی علم اللہ کے پاس ہے۔ اگر اسے ہمارا اسلام قبول ہے تو زہے بخت کی ارجمندیاں۔

مولوی صاحب: کیا آپ حضور ﷺ کی نورانیت کو مانتے ہیں؟

لالہ جی: مولانا صاحب ایک بات بتائیں ''نبوت اور نورانیت میں ذات رسالت معاب ﷺ کے لیے کسے مقدم مانا جائے؟''

مولوی صاحب: مجھے معلوم نہیں۔

لالہ جی صاحب: تم اچھے مولوی ہو اس لیے کہ تمہاری زبان سے یہ سنا جا رہا ہے ''مجھے معلوم نہیں'' یاد رکھو! جو شخص رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کو نہیں مانتا وہ مسلمان بھی کیسا ہے، لیکن آپ کا جوہر ظہور لباس بشریت میں چمکا۔ اس لیے آپ کی والدہ ماجدہ بھی تھیں اور آپ کے والد بھی تھے۔ قرآن مجید میں یہی وجہ ہے دو طرحی مواد موجود ہے۔

مولوی صاحب: آپ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟

لالہ جی صاحب: سعادت ہے کہ مسلمان ہوں اگر شناخت کے لیے مزید کسی قید کی ضرورت ہو تو بس اتنا کافی ہوگا کہ سنی ہوں۔

مولوی صاحب: رسول اللہ ﷺ کی نعت پڑھی جا سکتی ہے؟

لالہ جی صاحب: میں خود سنتا بھی ہوں لیکن چھوٹے بچوں اور نسوانی آوازوں میں نعت سننا ٹھیک نہیں ہے۔

مولوی صاحب: آپ کا نظریہ بدعت کے بارے میں کیا ہے؟

لالہ جی صاحب: وہی جو مجدد الف ثانی کا تھا۔

مولوی صاحب: آپ کن علماء کی باتیں زیادہ پسند کرتے ہیں؟

لالہ جی صاحب: ناموں کی تخصیص نہیں جو قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں بات کریں۔

مولوی صاحب: کیا وجہ ہے کہ آپ سے تمام طبقوں کے لوگ وابستہ ہو جاتے ہیں؟

لالہ جی صاحب: اس سوال کا تعلق میری ذات سے نہیں وابستہ ہونے والوں سے ہے، ان سے پوچھ لیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں فرقہ واریت پسند نہیں کرتا صوفیا کے مسلک میں ہر کہ ومہ کو محبت دینا ہوتا ہے۔

مولوی صاحب: ہر آدمی سے محبت ٹھیک نہیں ہوتی؟

لالہ جی صاحب: دعا فرمائیں ہماری محبت ٹھیک ہو جائے۔

مولوی صاحب: مجھے آپ کے کان میں ایک

بات کہنی ہے؟

لالہ جی صاحب: مجلس کے اندر اس طرح بات کرنا خلاف سنت ہے، بعد میں ملاقات فرمالیں۔

مولوی صاحب: اگر کوئی آدمی آپ کو بیعت دینا چاہے لیکن مخفی رکھنے کا متمنی ہو تو کیا ایسا ممکن ہوگا؟

لالہ جی صاحب: وہ آدمی اوگی میرے پاس آ جائے، انشاء اللہ تادم مرگ اس کا راز افشا نہیں کیا جائے گا۔

حضرت لالہ جی اکثر محفل میں علماء سے قرآن اور حدیث کی روشنی میں مسائل و فضائل سماعت فرماتے۔ یکسوئی کی حالت ہوتی جہاں کہیں اشکال ہو جاتا آپ علماء کو روک کر استفسار فرماتے۔ انداز کچھ یوں ہوتا ''مجھے یہ مقام سمجھ نہیں آ سکا'' مزید روشنی کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات آپ سوالات بھی کر دیتے اور باتوں باتوں ہی میں اشکال رفع ہو جاتے۔۔۔۔ اگر سوال و جواب بحث کی صورت اختیار کر لیتے تو آپ محفل سمیٹ لیتے اور فرماتے ایسا علم بھی حجاب ہوتا ہے، آؤ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص شدت سے الجھ پڑتا تو آپ فقط یہ فرماتے حضرت ہماری اصلاح کے لیے دعا فرما دیں، اتنی شفقت تو فرما دیں کیا ہمارا کج راہ ہونا خیر خواہی کا اتنا حق بھی نہیں رکھتا کہ ہمارے لیے صراط مستقیم کی دعا کی جائے پھر آپ بڑے دردمندانہ لہجے میں پڑھتے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین**

حضرت لالہ جی اہل بدعت کی محبت سے اعراض فرماتے اور حضرت بندار بن حسین شیرانی کا قول اکثر سنا دیتے کہ ''اہل بدعت کی صحبت کا لازمی نتیجہ حق سے اعراض ہے''۔

حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے کہ اہل اللہ محبت اور طلب کی وادیوں میں خوشبودار پھول ہوتے ہیں۔ حضرت لالہ جی پیار کا ایسا ہی ایک حسین پھول تھے جس نے ہزاروں نفوس میں محبت الٰہی کی مہک بانٹی ایسی خوشبو جو قیامت تک مشام طلب کو معطر رکھے گی۔

گر بسر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ ناز نینی

ذبحِ عظیم

سر کٹایا راہِ حق میں ہے امام با صفا
جان دے کر دینِ حق کا بول بالا کر دیا
عشق و دردو سوز میں وہ سب سے بازی لے گئے
کربلا میں جان دے کر درس ہم کو دے گئے
حق و باطل میں اگر برپا کبھی ہو معرکہ
پھر جوانمردی سے کرنا غیر حق کا سامنا
راہِ حق میں جان دینا ہے یہی مردانگی
ہے یہی فتح و سعادت ہے یہی تابندگی
روزِ اول سے رہا ہے اہلِ حق کا یہ طریق
دشمنوں پر ضربِ کاری، ساتھیوں پہ ہوں شفیق
وہ ابوبکر و عمر ہوں یا علی عالی مقام
معرکۂ حق و باطل کے مُسلّم ہیں اِمام
حضرتِ ہابیل سے قُربانیوں کا ہے رواج
دینِ حق کو پیش کرتے آئے ہیں اکثر خراج
ہر کسی نے راہِ حق میں دی مگر دی اپنی جان
کر دیا شبیر نے قربان پورا خاندان
سلسلہ ہابیل و اسماعیل سے جو ہے چلا
تا ابد جاری رہے گا مرحلہ در مرحلہ
ہیں حسین ابنِ علی لیکن شہیدوں کے امام
پورا کنبہ پیش کر دینا انہی کا تھا یہ کام
کر گئے تاریخ میں نامِ محمد ﷺ سر بلند
دولتِ عشق و محبت سے ہوئے وہ بہرہ مند

محمد سعید احمد بدر قادری

مقام سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ

(کشف المحجوب کی روشنی میں)

ماسٹر احسان الٰہی

''کشف المحجوب'' داتا علی ہجویری کی شاہکار اور محیر العقول تصنیف ہے جو تصوف وطریقت کے لطیف اسرار ورموز کو سالکین کے لیے نہایت محققانہ انداز میں افشاں کرتی ہے وہاں یہ عقیدتوں اور محبتوں کا ایک حسین اور ہمہ جہت گلدستہ بھی ہے۔ اس تصنیف میں حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش نے خلفائے راشدین، اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، ائمہ تابعین، تبع تابعین اور اولیاء وصوفیائے متاخرین کا تذکرہ نہایت عقیدت ومحبت اور احترام سے کیا ہے۔ ہر شخصیت کے تذکرہ کے ابتدا میں آپ نے ان کے لیے ایسے القابات تحریر فرمائے ہیں جو اُن کی ذات وصفات اور عظمت پر گواہی دیتے ہیں مگر اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کیے کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ کا قلم بے پناہ محبت وعقیدت سے سرشار نظر آتا ہے۔

''کشف المحجوب'' میں اہل بیت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ''اہل بیت وہ پاک ومطہر ہستیاں ہیں کہ ان کے لیے پاکی ازلی ان کی ذات کے واسطے مخصوص ہے اور ان میں ہر ایک طریقت میں کامل اور مشائخِ طریقت کے امام ہیں۔ یقیناً دنیا کی ساری عظمتیں اور پاکیزگیاں اہلِ بیت اطہار کے لیے مخصوص ہیں۔ قرآن مجید میں آیت تطہیر جن کی پاکیزگی، ذات و صفات کی گواہی دے رہی ہے اور ''اجرِ رسالت'' جن نفوس ذکیہ کی مودت ومحبت کے سوا کچھ نہیں!

حضرت داتا گنج بخش نے اہل بیت اطہار علیہم اجمعین کی چند شخصیات کا تذکرہ کشف المحجوب کے آٹھویں باب میں مختصراً بیان کیا ہے انہی میں راکب دوش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لختِ جگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ قتیل کربلا سید الشہداء حضرت سید امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ بھی آپ نے نہایت محبت وعقیدت سے کیا ہے۔ امام عالی مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے داتا صاحب فرماتے ہیں: ''انہی میں سے شمع آلِ محمد از علائق خلائق مجرد سید زمانہ خود ابو عبد اللہ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب ہیں جو محققانِ اولیاء کرام سے ہیں اور قبلہ اہلِ صفا قتیل دشتِ کربلا ہیں۔

سید امام حسین 5 شعبان المعظم 4 ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے آپ کی ولادت باسعادت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، اس کا نام تم نے کیا رکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''حرب''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں! یہ ''حسین'' ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں نے اُن کا نام حمزہ رکھا اور جب حسین پیدا ہوئے تو ان کا نام ان کے چچا کے نام پر جعفر رکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا کر فرمایا مجھے ان کے نام تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ نے ان کے نام حسن وحسین رضی اللہ عنہما رکھ دیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جب کبھی کاشانۂ علی رضی اللہ عنہ پر تشریف لاتے تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو سینے سے چمٹا لیتے اور ان کے ساتھ بے حد لاڈ وپیار کرتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، اہلِ بیت میں سے آپ کو کون زیادہ پسند اور محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بی بی پاک فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا کرتے۔ میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس لاؤ، پھر آپ ان کو سونگھتے اور اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔ حضرت داتا علی ہجویری نے حضور کی اپنے نواسوں کے ساتھ محبت و الفت کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا امام حسین سید الشہداء کو اپنی پشت اقدس پر سوار کر رکھا تھا اور ایک ڈوری اپنے دہن مبارک میں دے رکھی تھی اور امام حسین علیہ السلام ہانک رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھٹنوں سے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شان دیکھی تو عرض کیا۔ اے ابو عبد اللہ! آپ نے سواری تو بہت عجیب پائی تو حضور نے فرمایا: عمر سوار بھی تو ایسے اچھے ہیں۔ اس واقعہ میں جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حد درجہ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہے وہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت بھی عیاں ہوتی ہے۔ یہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور خاص طور پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنہیں راکب دوش نبی ہونے کی ایسی عظیم سعادت میسر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب فرمایا کہ سواری کتنی اچھی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً فرمایا کہ سوار بھی تو بہت اچھا ہے اس لیے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ پوشیدہ نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الانبیاء ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک ''رسالت نامہ'' کا مظہر ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات ''شہادت نامہ'' کا مظہر۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تشریف لاتے تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر پر خوب اٹھکیلیاں کرتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ہرگز منع نہ فرماتے بلکہ انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتا اور دیکھتا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کے شکم مبارک پر لوٹ پوٹ ہو رہے ہوتے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہوتے۔ یہ دونوں ہی میری امت کے پھول ہیں۔

ترمذی میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی انہیں

محبوب رکھ۔ ایک روز حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کشتی لڑنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا! اے حسن رضی اللہ عنہ! حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑ لو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جبرائیل علیہ السلام بھی حسین رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑ لو۔

ایک بار سید الانبیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر غزہ میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں دونوں شہزادگان طفولیت میں تھے۔ چھوٹے صاحبزادہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک روز گھر سے باہر آ کر مدینہ کے خرموں (کھجور کے درختوں) میں چلے گئے اور درختوں کے نیچے کھیل رہے تھے کہ ایک یہودی جس کا نام صالح بن رفعہ تھا اس طرف سے گزرا، دیکھا کہ چھوٹے شہزادے کھیل رہے ہیں۔ اس نے ان کو گود میں لیا اور گھر لے جا کر چھپا دیا، دن بھر انتظار رہا جب عصر کا وقت گزر گیا تو حضرت سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی بے چینی بڑھی۔ رونے لگیں اور اسی خود رفتگی میں سترہ بار حجرہ سے باہر تشریف لائیں کہ کوئی حسین رضی اللہ عنہ کو شاید لا رہا ہو! آخر بڑے شہزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جانِ مادر! تمہی جاؤ اور حسین رضی اللہ عنہ کو لاؤ انہیں گئے دن بھر گزر گیا۔ آپ روانہ ہوئے اور کھجوروں کے درختوں میں پہنچ کر پکارا! اے بھائی حسین! اے نبی کی آنکھوں کی قوت! تم کہاں ہو؟ مگر کوئی جواب نہ ملا، اچانک ایک ہرن ادھر سے گزرا۔ آپ نے اُس سے فرمایا! اے ہرن! کیا میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو تو نے دیکھا ہے۔ ہرن کو خدا نے زبان ناطق عطا فرمائی اور بحکمِ الٰہی وہ اس طرح جواب دینے لگا اے نور دیدۂ سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اے سرورِ سینہ زہرہ و حیدر رضی اللہ عنہما ان کو صالح بن رفعہ یہودی نے پکڑ رکھا ہے اور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے، وہاں سے انہیں لے آیئے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ خراماں خراماں اس کے گھر پہنچے اور آواز دی۔ صالح باہر آیا۔ آپ نے فرمایا صالح، میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو لے آؤ ورنہ ابھی والدہ سے کہتا ہوں کہ وہ دعا کریں کہ روئے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہے! صالح شہزادہ والاشان کی اس ذہانت پر متحیر ہوا کہ چھوٹے سے بچے اور تلاش میں یہ ذکاوت کہ چور پکڑ لیا! کہنے لگا صاحبزادے تمہاری ماں کون ہے؟ آپ نے فرمایا میری والدہ فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا ہیں۔ صالح نے کہا کہ ہاں تمہاری ماں کو میں جان گیا مگر بتاؤ باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا میرے باپ شیر یزداں، شاہِ مردان علی اسد اللہ ہیں۔ صالح نے کہا تمہارے باپ کو بھی پہچان گیا اب اپنے نانا کا بتاؤ وہ کون ہیں؟ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول ثقلین، سید الکونین، مقتدائے حرمین، پیشوائے مشرقین، سردار مغربین ہیں جن کا نامِ نامی، اسمِ گرامی پاک محمد رسول اللہ ہے۔ یہ تمام جواب سن کر اس نے کہا کہ اے جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اے نور دیدہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قبل اس کے کہ میں تمہارے چھوٹے بھائی کو تمہیں سپرد کروں مجھے تعلیم اسلام فرماؤ، آپ کی گفتگو نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ آپ کے فیضِ محبت سے میں بہت متاثر ہوا۔ امام حسن پاک رضی اللہ عنہ نے اسے تعلیم کا کلمہ فرمایا۔ اس نے اشہدان لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھا اور شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ، شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ کو گھر لائے۔

حضرت ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الحسن و الحسین سید الشباب اهل الجنة

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں''۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما عرش کے دوستون ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ''اہل جنت'' جنت میں مقیم ہو جائیں گے تو جنت عرض کرے گی۔ اے پروردگار! تو نے مجھے اپنے ستونوں میں سے دوستونوں سے مزین کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے حسن اور حسین کے ذریعے مزین نہیں کر دیا؟ (یہی تو میرے دوستون ہیں)

ایک اور روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مرتبہ جنت نے دوزخ پر فخر کیا اور کہا میں تم سے بہتر ہوں، دوزخ نے کہا میں تم سے بہتر ہوں۔ جنت نے دوزخ سے پوچھا کس وجہ سے؟ دوزخ نے کہا اس لیے کہ مجھ میں بڑے بڑے جابر حکمران، قارون، شداد، نمرود اور فرعون وغیرہ ہیں۔ اس پر جنت خاموش ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت پر وحی کی اور فرمایا تو عاجز و لاجواب نہ ہو۔ میں تجھے اپنے عرش کے دوستونوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ذریعے مزین کر دوں گا۔

پس جنت خوشی اور سرور سے ایسے شرما گئی جیسے دلہن اپنے جملہ عروسی میں شرماتی ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ظاہر لحاظ سے بھی ایک حد تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اور باطنی لحاظ سے بھی۔ اس ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ سینہ سے سر تک اور حسین رضی اللہ عنہ سینہ سے نیچے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹخنے تک رنگت اور صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل شبیہہ ہو تو وہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جب کبھی آپ کی یاد سے بے چین و بے قرار ہو جاتے تو سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے درِ اقدس پر حاضر ہوتے اور گزارش کرتے کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہ کو باہر بھیجیں تا کہ ان کی زیارت سے تسکینِ دل حاصل کر سکیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ اور پیکر حسن و جمال تھے۔ اندھیرے میں بیٹھتے تو آپ کی جبینِ اقدس اور رخساروں سے روشنی نکلتی جس سے قرب و جوار جگمگا اٹھتے۔

10 محرم الحرام 61 ہجری جمعۃ المبارک کو کربلا کا خون آشام اور دلخراش واقعہ پیش آیا۔ حضرت امامِ عالی مقام نے میدانِ کربلا میں شجاعت و دلیری کے وہ جوہر دکھائے اور انمٹ نقوش ثبت کیے کہ ''خیبر'' کی یاد تازہ کر دی۔ ایک شخص عبداللہ بن عمار جو فوج اشقیاء میں شامل تھا۔ اس نے آپ کی شجاعت و بہادری، بلند ہمتی اور عزم و استقلال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ''میں نے دیکھا ان کے دائیں بائیں جو پیادے نرغا کیے ہوئے تھے انہوں نے آپ پر حملہ کیا، آپ نے داہنی طرف سے پیادوں پر حملہ کر کے سب کو منتشر اور دھول چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ اسی طرح بائیں جانب کے پیادوں پر بھی حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا۔ آپ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور خز کا قمیض گلے میں تھا۔ واللہ! کسی ایسے بے کس اور بے بس کو جس کی اولاد اہل بیت و انصار سب قتل ہو چکے ہوں، اس دل سے اور جرأت سے لڑتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ واللہ! نہ ان سے بیشتر ان کا مثل دیکھنے میں آیا، نہ ان کے بعد کہ ان کے دائیں یا بائیں لوگ اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے بکریاں بھاگتی ہیں۔

بقیہ: صفحہ نمبر 39 پر

سلسلہ چشتیہ کے تیسرے سربراہ، شہنشاہ ولایت، تاجدار تصوف

حضرت سیدنا بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

برصغیر میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیائے کاملین کی مقدس جماعت کے سر ہے ان نیک سیرت بندگان خدا نے بے شمار لوگوں کو دولت ایمان سے مستفید فرما کران کے قلوب میں عشق رسول کی قندیلیں روشن کیں ان اولیائے کاملین کی جماعت میں سیدنا حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نمایاں ہیں ارض ہند کے جید مشاہیر میں ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے ۔آپ کے دادا حضرت شیخ قاضی شعیب رحمۃ اللہ علیہ اہل و عیال کے ہمراہ کابل سے لاہور آئے پھر قصور آئے اور آپ قابل کے بادشاہ فرح شاہ کے خاندان سے تھے آپ کا پدری نسب امیر المومنین مراد رسول سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے چونکہ فضلائے عصر میں سے تھے اس لیے کھتوال کے قاضی مقرر ہو گئے اور وہیں رہنے لگے ان کے بعد آپ کے والد حضرت شیخ جمال الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ بھی قاضی مقرر ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ بی بی قرسم رحمۃ اللہ علیہ خاتون بنت مولانا وجیہ الدین بھی بڑی بزرگ اور صاحب ولایت تھیں۔ حضرت بابا فرید الدین کی ولادت 575 ہجری میں ملتان کے ایک قصبہ کھوتوال میں ہوئی۔ بعض مؤرخین نے 575ھ لکھا ہے آپ کا اصلی نام مسعود ہے البتہ حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نام دیا لیکن آپ گنج شکر کے لقب سے مشہور ہوئے آپ مادرزاد ولی تھے کہ شہر میں ماہ رمضان کے چاند کے متعلق ابر کے باعث کچھ اشتباہ تھا ایک ابدال نے لوگوں سے کہا: مطمئن رہو آج شب قاضی صاحب کے یہاں ایک بچہ پیدا ہو گا جو آگے چل کر قطب الاقطاب بنے گا اگر اس نے صبح دودھ نہ پیا تو روزہ رکھنا چنانچہ آپ نے دودھ نہ پیا اور سب نے روزہ رکھا رمضان بھر آپ کا یہ عالم رہا کہ دن بھر دودھ نہ پیتے تھے جب چار برس کے ہوئے تو مکتب میں داخل ہوئے اور ایک قلیل وقفہ مدت ہی میں تمام ضروری علوم سے فراغت پالی ایک روز آپ ملتان کی مسجد مولانا منہاج الدین میں بیٹھے ہوئے کتاب نافع کا مطالعہ فرما رہے تھے وہیں قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کا کی تشریف لائے آپ نے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو؟ بابا صاحب نے عرض کی حضور کتاب نافع کا مطالعہ کر رہا ہوں آپ نے فرمایا کہ کچھ نفع بھی ہوا؟ بابا فرید نے جواب دیا نفع تو آپ کی نگاہ ولایت سے ہو گا حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے بابا فرید کو بیعت کر لیا اور فرمایا کہ تکمیل علوم کے بعد میرے پاس آنا مزید علم کی پیاس بجھانے آپ قندھار آ گئے کچھ عرصہ یہاں علم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم بغداد میں ایک مدت تک علم حاصل کیا اور سند فضیلت حاصل کی اس مدت میں آپ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ بہاؤ الدین جموی، شیخ واحد الدین کرمانی، شیخ سیف الدین باخزری اور شیخ فرید الدین محمد نیشا پوری کی برابر خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے رہے اور ان جید کاملین سے فیض پاتے رہے اس کے بعد آپ اپنے مرشد کامل کے پاس واپس دہلی گئے آپ خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت میں رہا آپ کے پاس جو کچھ آتا آپ راہ خدا میں تقسیم فرما دیتے سیف الدین باخزری نے یہ دیکھ کر فرمایا فرید مشائخ روزگار میں سے ہو گا اور اولاد و مرید بکثرت ہونگے اسی طرح آپ بخارا، بلخ، بیشاپور، بدخشاں اور ہرات سے ہوتے ہوئے ملتان آئے اور یہاں شیخ الاسلام حضرت غوث بہاو الدین زکریا ملتانی کے پاس قیام فرمایا ظاہر ہے کہ اتنے بزرگوں کی صحبت و فیوض ہی نے آپ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا مگر آپ کو تو یگانہ روزگار بننا تھا اس لیے مرشد گرامی نے آپ کو مجاہدہ تلقین فرمایا دروازہ غزنوی کے برابر جو برج تھے اسی میں مصروف مجاہدہ رہتے۔ ہفتے میں ایک بار قطب الاقطاب سے ملنے جایا کرتے تھے پھر قطب صاحب نے روزہ مبارک طے رکھوایا کہ جب غیب سے ملے تو کھانا چھ روز گزر گئے ایک دفعہ بھوک کی شدت سے بے قرار ہو کر آپ نے سنگ ریزوں کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تو وہ شکر بن گئے اسی روز سے آپ کا لقب شکر گنج ہوا۔

آپ کے اس لقب کے متعلق اور بھی روایات ملتی ہیں کہ ایک بار آپ دہلی میں مقیم تھے کہ خوب بارش ہوئی کیچڑ کی وجہ سے چلنا بھی محال ہو گیا آپ کو اپنے مرشد کامل سیدنا حضرت قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شوق ہوا کھڑاؤں پہنے اور روانہ ہو گئے آپ نے سات روز تک کچھ نہیں کھایا تھا اچانک آپ کا پاؤں پھسل گیا آپ کے منہ میں تھوڑی سی کیچڑ جا گری اور وہ کیچڑ اللہ کے حکم سے شکر ہو گئی جب آپ اپنے شیخ کامل کے پاس پہنچے تو انھوں نے فرمایا اے فرید جب تھوڑی کیچڑ تیرے منہ میں پہنچی تو وہ شکر ہو گئی اللہ نے تیرے وجود کو شکر بنایا اور ہمیشہ تجھے میٹھا رکھے گا اس کے بعد آپ جہاں بھی جاتے تو لوگ کہتے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آ گئے پھر آپ نے مرشد کامل کے حکم سے چالیس روز تک ایک قصبہ کی مسجد کے کنویں میں الٹا لٹک کر مجاہدہ کیا دن بھر مراقب رہتے اور شب کو رازدار مؤذن آپ کو کنویں میں الٹا لٹکا کر رسی سے ایک درخت سے باندھ دیتا اور صبح آپ کو باہر نکال لیتا جب حضرت خواجہ غریب نواز دہلی تشریف لائے تو حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے سب سے ملنے کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کا کی سے کہا کہ اے قطب کیا اور بھی کوئی ملنے والا باقی رہتا ہے تو آپ نے جواب دیا جی حضور

ابھی ایک مرید رہتا ہے جو چلہ میں مصروف ہے۔ سرکار سلطان الہند نے فرمایا کہ چلو ہم خود اس مرید کے پاس چلتے ہیں آپ وہاں پہنچے جہاں حضور بابا فرید چلہ کشی میں مصروف تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کو دیکھ کر آپ نے تعظیما اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی تو کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا گئے آپ کی یہ کفیت دیکھ کر خواجہ غریب نواز نے فرمایا قطب الدین اس کو اور کتنا آزمائش میں ڈالو گے اب اس کو نواز دو حضرت قطب الدین بختیار کا کی نے عرض کی حضور آپ کی موجودگی میں میری کیا مجال۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے حضور بابا فرید کو سینے سے لگا کر ایک ہی پل میں روحانیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچا دیا خواجہ قطب الاقطاب نے خرقہ خلافت، عصا و مصلیٰ، و نعلین چوبیں اور دیگر تبرکات بھی آپ کو عطا کر کے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور آپ کو تبلیغ اسلام کے لیے اجودھن (پاک پتن) جانے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت بابا فرید الدین اپنے وقت کے بہت بڑے عالم بھی تھے ایک بار ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے اس محفل میں ایک مولانا صاحب بھی موجود تھے یہ بات سن کر انہوں نے کہا کہ میں عالم دین ہوں اور جانتا ہوں کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ حضور بابا صاحب نے فرمایا کہ اس کا تمہیں عملی تجربہ ہو جائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا صاحب نے حج کا اردہ کیا حج سے واپسی پر مولانا کا بحری جہاز جس میں سفر کر رہے تھے سمندری طوفان کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا۔ مولانا ایک تختے کے سہارے تیرتے ہوئے ایک جزیرے پر پہنچ گئے جزیرہ بالکل ویران تھا مولانا ڈوبنے سے تو بچ گئے مگر بھوک کی شدت سے بے تاب تھے لیکن تلاش کے باوجود کھانے کو کچھ نظر نہ آیا اسی اثناء میں ایک آدمی آیا جس کے پاس کھانا تھا مولانا صاحب نے اس آدمی سے کھانے کا کہا تو اس نے کہا کہ روٹی کی قیمت دو جو کہ مولانا کے پاس نہ تھی اس آدمی نے کھانے کے عوض مولوی صاحب سے حج کا ثواب ایک کاغذ پر لکھوایا الغرض اسی طرح اس آدمی نے وقتاً فوقتاً مولوی صاحب سے روٹیوں کے بدلے ان کی تمام عبادات نیکیوں کا ثواب لکھوایا چند دن بعد ایک جہاز جزیرے کی طرف آنکلا جس پر سواری کر کے مولوی صاحب وطن پہنچے۔ جب وہ بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سفر حج کا احوال پوچھا اور فرمایا کیوں جناب روٹی دین کا چھٹا رکن ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب اب بھی اپنی بات پر ڈٹے رہے آپ نے مولوی پر بیتا ہوا واقعہ سنایا اور فرمایا آپ روٹیوں کے بدلے اپنی ساری زندگی کی عبادات کا ثواب دے چکے ہیں ثبوت کے طور پر آپ نے مولانا کو ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا کاغذ بھی دکھایا، یہ دیکھ کر مولوی بہت شرمندہ ہوا اور آپ کی بات سمجھ گیا۔ سلطان غیاث الدین بلبن حضور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی کہ بندہ تو کئی بار شرف اندوز سعادت ہو چکا ہے مگر بیگمات کو زیارت کی آرزو بے تاب رکھتی ہے بندہ نوازی فرمائیں اگر آپ دہلی تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا اگرچہ پیروں کی یہ سنت نہیں کہ امراء کے گھر جائیں مگر مشیت ایزدی میں چارہ نہیں دہلی پہنچ کر جب آپ نے حرم میں قدم رکھا تو شاہی حرم کی خواتین نے آپ کا ستقبال کیا ان خواتین میں ایک پر نظر جو پڑی تو تھوڑی دیر دیکھتے رہے اور پوچھا یہ کون ہے بلبن نے عرض کی غلام زادی ہزیرہ بانو ہے آپ خاموش ہو گئے اور کچھ دیر بیگمات کو شرف اندوز زیارت فرما کر چلے آئے سطان نے وزیر سے تمام واقعہ کہہ کر حکم دیا حجرت کا حال دل معلوم کریں حضور بابا صاحب نے وزیر سے فرمایا میرا تو ارادہ نہ تھا مگر حکم خداوندی ہے کہ میرے حبیب پاک ﷺ کی سنت ادا کرو محل میں گیا تو پھر حکم ہوا کہ سر اونچا کر کے دیکھ اسی سے تیرا عقد ہوگا اس لیے دیکھتا رہا مجھے یہ رشتہ منظور ہے چنانچہ نکاح ہو گیا۔ تین دن یہ صورت رہی کہ آپ ایک گوشہ میں مصلیٰ بچھا کر رات بھر نماز میں مصروف رہتے اور دلہن مودب کھڑی رہتی چوتھی شب کو عرض کی رضا مندی میں ہی خدا کی رضا مندی ہے رضائے حق درکار ہے تو دنیا ترک کر کے درویشی لباس پہن اور مصروف عبادت ہو چنانچہ دلہن نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا تین روز تک بادشاہ اتنا ہی مال وزر اپنی بیٹی کو دیتا رہا اور وہ خدا کی راہ میں تقسیم کرتی رہی۔ تیسرے دن اپنے والد سے عرض کی آپ بادشاہ ہیں اور میں فقیری لباس پہن چکی ہوں۔ آپ نے چار شادیاں کیں آپ کی پہلی شادی بی بی نہریزہ سے ہوئی دوسری شادی بی بی کلثوم سے ہوئی، تیسری شادی بی بی شارو سے ہوئی، اور چوتھی شادی بی بی سکر سے ہوئی۔ ان سے آپ کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود نے اپنی تمام زندگی مخلوق خدا کو محبت بھائی چاری رواداری کا درس دیا اور خدا کے قریب کیا آپ کا وصال مبارک بروز منگل 5 محرم الحرام 670ھ کو ہوا وصال سے قبل آپ کی صحت کچھ خراب ہو گئی تھی آپ نماز عشاء حالت سجدہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے وقت وصال آپ کی عمر 95 برس تھی۔ آپ کا مزار پُر انوار پاک پتن شریف میں منبع فیوض برکات ہے جہاں سے آج بھی لاکھوں لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہر روز یہاں سینکڑوں عقیدت مند نظر آتے ہیں۔

آپ ریاضت و عبادت، مجاہدہ فقر اور ترک تجرید میں بے نظیر تھے شہرت پسند نہ فرماتے تھے آپ کو استغراق بہت تھا سماع کا بہت شوق تھا۔ آپ اپنے پیر و مرشد کے نہایت فرماں بردار تھے آپ کے گھر میں فقر و فاقہ رہتا تھا جب آپ کا وصال ہوا گھر میں کفن کے لیے پیسہ نہ تھا مکان کا دروازہ توڑ کر اس کی اینٹیں قبر میں لگائی گئیں آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے شربت کے ایک پیالے سے افطار فرماتے تھے تھوڑا خود پیتے باقی حاضرین کو تقسیم فرماتے تھے۔ دو روٹیوں میں سے ایک خود کھاتے اور دوسری حاضرین کو تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپ کی پوشاک شکستہ ہوتی ایک کمبل تھا جو اتنا چھوٹا ہوتا تھا کہ جب پیروں پر ڈالتے تو سر کھل جاتا تھا اور جب سر پر ڈالتے تو پیر کھل جاتے۔ توکل کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ آتا وہ خرچ کر دیتے تھے۔ آپ اکثر فرماتے توبہ کی چھ قسمیں ہیں: ایک دل اور زبان سے توبہ کرنا، دوسرے آنکھ کی، تیسرا کان کی توبہ، چوتھی ہاتھ کی، پانچویں پاؤں کی، اور چھٹی نفس کی توبہ آپ فرماتے کہ درویش جو اس دنیا کی نعمت و جاہ کا خواستگار ہو اور اپنی ذات کو لطف کا اسیر کرنے کی کوشش کرے پس اس کی نسبت جاننا چاہیے کہ وہ درویش نہیں۔ ہے درویشوں کا نام بدنام کرنے والا ہے کیونکہ فقراء کو دنیا سے اعراض ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ چار چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: آنکھ کو ناقابل دید چیزوں کے دیکھنے سے روکے، کانوں کو ناقابل شنید باتوں کے سننے سے روکے، زبان کو گونگا بنائے، ہاتھ پاؤں کو ممنوعہ اعمال سے روکے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 39 پر

دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند

حافظ شیخ محمد قاسم

سنابل نور پڑھی اس میں شاہ جی نے اپنے گاؤں کا بڑا جمالیاتی نقشہ کھینچا ہے ایک عرصہ سے خواہش تھی کہ وہ سادہ سا دیہات جسے فطری نظاروں نے روحانی کہکشاں بنا دیا ہے اپنی آنکھوں سے دیکھوں ۔ خوبصورت درختوں ، رنگ برنگ پھولوں اور خوش نما وادیوں کی زیارت کر کے ذہن میں فردوس سمانے کی کوشش کروں ۔ بخت رسا ثابت ہوا اور ایک دن شاہ جی کی معیت میں کوٹنالی شریف میں ورود ہوا ۔ اگر میں غلط نہیں تو شاہ جی کا گھر جس چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے وہ بڑے پہاڑوں کے درمیان ایسے لگتی ہے جیسے کوئی گھوڑا ہو جس کی پیٹھ پر کوئی شہریار سواری کرنے کے لیے تیاری کر رہا ہو ۔ میں جب پہلی بار وہاں گیا تھا گاڑی شاہ جی نے خود چلائی تھی اور ہمارے ساتھ فیصل ستی اور بھائی رضوان احمد انجم بھی تھے ۔ ڈھیری والی زیارت کے پاس کھڑے ہو کر ہم نے چاروں طرف نگاہ ڈالی ، ہر طرف سبز پوش کوہستانی چوٹیاں آکاش کے سائے میں مست خیز محسوس ہوئیں ۔ پرندوں کی خوش نوائیاں جیسے روحوں کو لوریاں دے رہی ہوں ۔ وقت ایسا تھا کہ گھاس کی نرم و نازک پتیاں شبنم کو بھی جیسے برداشت نہ کر رہی ہوں ۔ ایسے میں شاہ جی بھی ہمارے ساتھ آ کھڑے ہوئے ۔ اب تو آپ کے وجود سے ہم نے اپنی سانسوں تک کو وارفتہ محسوس کیا ۔ طبیعتوں میں ایک تازگی ، شگفتگی اور محبت کی سرسراہٹ دیکھی خواہ مخواہ ہی ہمیں لگا جیسے ہمارے قد لانبے ہو گئے ہیں اور ہم ابھی آسمان کو چھو لیں گے لیکن ہر وقت کام میں لگے رہنے والے شاہ جی نے مسکرا کر ہمیں مکان کی چھت پر پڑے ایک ''منجے'' پر بیٹھنے کے لیے کہا اور حسب معمول فرمایا کیوں نہ قرآن حکیم کا کوئی حصہ پڑھ لیں ۔ رضوان بھائی نے سورہ رحمن پڑھی اور شاہ جی نے مترنم سروں میں سورۂ رحمن کا ترجمہ فرمایا ۔ ارتجالاً جب آپ کوئی تفسیری کلمہ اور توضیحاتی ارشاد فضا میں بکھیرتے تو ایسا لگتا جیسے کوٹنالی شریف کی وادی طشت بن گئی ہے اور شاہ جی روحانی افکار اور رحمانی سوغات کے رنگ برنگ پھول اس طشت میں رکھ کر اپنے مہمانوں کو پیش فرما رہے ہیں ۔ قرآن مجید سن کر آنکھوں میں جگنو سجانے کا مزا ہی کچھ اور تھا میں عرض کرتا چلوں کہ قرآن سننے اور سنانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ شاہ جی کسی محفل اور جلسہ ہی میں ہوں آپ گاڑی چلاتے ہوئے بھی یہ عبادت کر لیتے ہیں ۔

آپ کو حیرانگی ہو گی کہ شاہ جی نے بارہا موبائل دورہ تفسیر پڑھایا آپ کے طالب علم الگ ایک گاڑی میں ہوتے ہیں اور جہاں خوبصورت منظر دیکھا بیٹھ گئے ۔ پاک پتن سے ڈاکٹر زبیر ، لاہور سے ڈاکٹر اطہر کوئٹہ سے حاجی عبدالمجید ، میرے والد گرامی اور درجنوں دوسرے بخت مند لوگ اس طریق تعلیم سے مستفید ہوئے ہیں ۔ شاہ جی نے لوگوں میں قرآن کا عشق پیدا کیا ۔ ایک اور نفیس بات سنتے چلیے کہ شاہ جی کے سامنے اگر کوئی اختلافی مسئلہ چھیڑے اور بحث کرنے والے ہوں سنگی تو شاہ جی جواب کے لیے مفتیانہ طریقہ نہیں اپناتے بلکہ مسئلہ سے متعلق قرآن حکیم سے مخصوص آیات تلاوت فرما دیتے ہیں یا کوئی قاری موجود ہو تو اسے فرماتے ہیں کہ آیات ذرا دھیرے دھیرے تلاوت فرمائیں ۔ قرآن سننے کے بعد سنگیوں سے آپ فرماتے ہیں کیا قرآن ہمارے لیے کافی نہیں ۔۔۔۔''

شاہ جی نے اعلیٰ سطحی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی ۔ پنجاب یونیورسٹی ، کراچی یونیورسٹی ، گارڈن کالج راولپنڈی ، حشمت علی اسلامیہ کالج اور جزو وقتی جامعہ مدینہ میں ، خانہ فرہنگ ایران اور امریکن سنٹر لیکن شاہ جی کی وضع داری اور خاندانی اقدار کا تموج ایک خاص طرز زندگی سے انہیں دور نہ ہٹا سکا ۔ ان کی باتوں میں بلا کی آزادی ، علم پروری اور انقلابیت ہوتی ہے لیکن وہ جدید حوالوں سے جینے کی کوشش نہیں کرتے ۔ ان کا ''مولویانہ اندازِ حیات'' سرمایہ افتخار سمجھا جاتا ہے ۔ شاہ جی اشفاق احمد ، ممتاز مفتی اور قدرت اللہ شہاب سب سے ملے ہوئے ہیں لیکن شاہ جی کو ان کے بابوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ۔

اشفاق احمد کبھی کبھار ان کے ساتھ جمعہ پڑھتے اور شاہ جی کو بابا ہی کہہ کر سلام کرتے ۔ میری بدقسمتی یا خوش قسمتی سمجھئے کہ میں اشفاق احمد کے ڈراموں کا دلدادہ ہو گیا اور مجھے بھی تلاش رہنے لگی کہ اچانک کسی بیری کے بوٹے تلے کوئی بابا مل جائے اور میں بھی ہری ہری کی دنیا میں کچھ دیر سکون حاصل کر سکوں لیکن شاہ جی میرا مرض سمجھ گئے اور مجھے خوب ڈانٹ پلائی اور فرمایا ''ڈرامے کو بس ڈرامہ ہی سمجھا کریں'' مادر گیتی میں فرضی بابے تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں ، جو لوگ اپنے پانچ فٹ کے بت پر نظام خدا نافذ نہیں کر سکتے امور تکوین سے ان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے ۔ آپ جو کتابیں پڑھتے ہیں ان میں مغربیت کے فتنے چھپے ہوتے ہیں ۔ یہ کتابیں سوچتی ہیں لیکن ان کی سوچ ڈیکارٹ اور ورڈزورتھ سے آگے نہیں جاتی ۔ ناقص کتابیں فکری غلامی کی رسیوں میں جکڑ لیتی ہیں ۔

عزیزم قاسم تمہارے والد نے تمہیں قرآن کی راہ ڈالا ہے ، یہی وہ خوبصورت راہ ہے پہلے یاد کرو پھر اس کتاب کی دعوت کو سمجھو ، اگر کچھ سمجھ آ جائے تو اس فکر کا پرچم بلند کرنے کی کوشش کرو ۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے کہ مجھے قرآن کی صورت میں علم کے ہفت آسمانوں سے واقفیت ہو گئی اور ایک بابا بھی مل گیا اب تو ٹھان لی ہے کہ ساری زندگی بس اسی بابے کے قدموں میں بسر کرنی ہے لیکن میرے قاری کو ایک زیادتی نہیں کرنی چاہیے کہ وہ شاہ جی پر الزام دھر دیں کہ آپ دوسرے مفکرین کی قدر نہیں کرتے ۔ شاہ جی کی وفا کی کہانیاں تو اتنی لذیذ ہیں کہ سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے

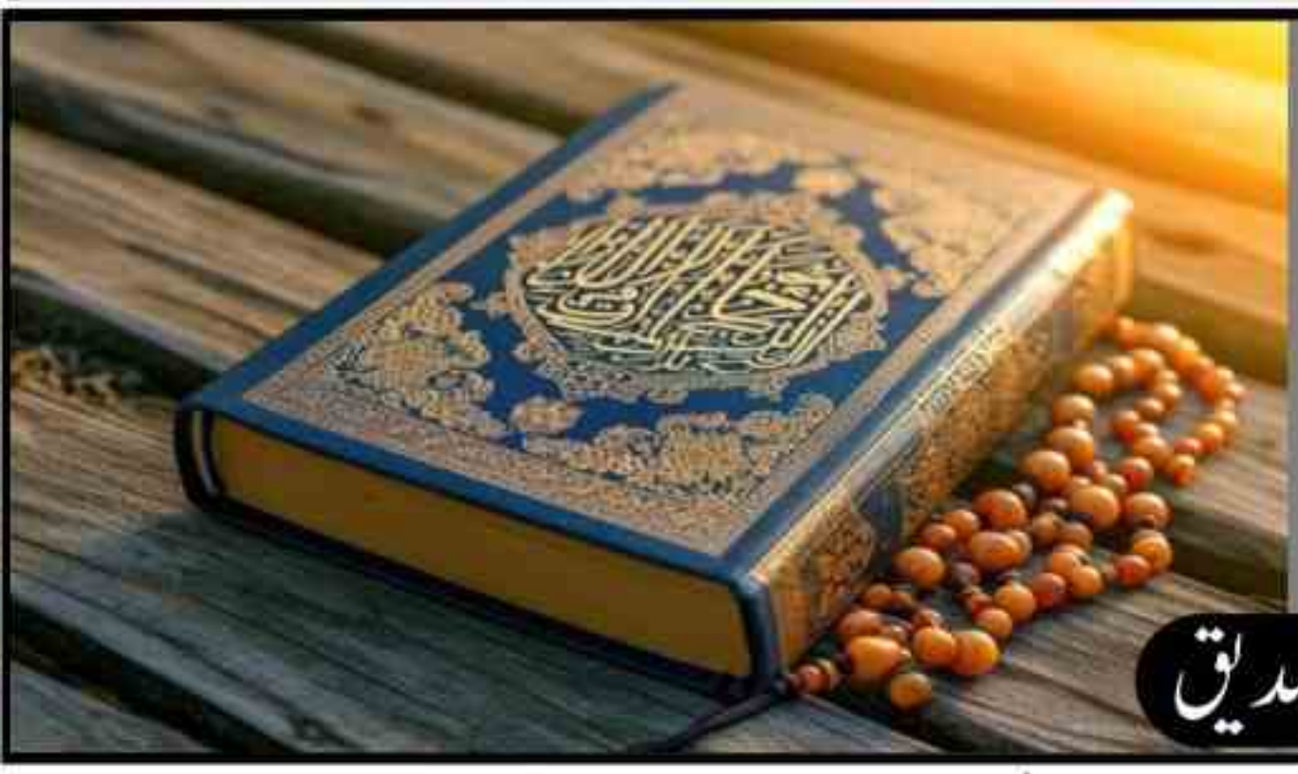

تلاوت قرآن کے آداب

محمد صدیق

قرآن مجید مادی اور روحانی نعمتوں کا تلاطم خیز سمندر ہے ۔جس میں شناوری اللہ کی مدد سے اور ''الرحمٰن'' کی رحمت ہی سے ممکن ہوسکتی ہے۔اس عظیم کلام کی رحمتیں بے بہا ہیں اور برکتیں دھنک اور چاند کی طرح معنویت کے سمندر میں مدّ وجزر پیدا کر دیتی ہیں ۔اس کلام کے ذخائر لامحدود ہیں ۔اس کا ہر حرف حلاوت سے لبریز ہے ۔یہ وہ شجر طوبیٰ ہے جو فکری ، روحانی اور عملی پھولوں سے لدا ہوا ہے۔قرآن کریم میں جتنا غور کرتے جاؤ اس کے اسرار ورموز بڑھتے جاتے ہیں، تشنگی بھی بڑھتی جاتی ہے، ہزار ہا سال سے علماء قرآن کریم کے اسرار ورموز پر اور اس کے مطالب کی گہرائی پر قلم فرسائی کرتے رہے اور کروڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر قرآن کریم کے علوم اور اس کے اسرار ورموز کے ہزارویں حصہ تک بھی رسائی نہ کر سکے اور نہ ہی رسائی ہوسکتی ہے۔۔۔۔۔(تفسیر تبصرہ)

یہ ایک واضع حقیقت ہے کہ جو کتاب پرانی ہوجاتی ہے اس کے معانی اور مطالب اپنا اثر زائل کرنے لگتے ہیں لیکن اس گلستاں سے ہر بار نئے نئے گلدستے نئے تازگی اور رعنائی کے ساتھ روحوں کو معطر کرتے ہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ قرآن حکیم کی محدود نصوص کی بنیاد پر لامتناہی احکام اور اصول وقوائد کے سوتے پھوٹ رہے ہیں اور پھوٹتے رہیں گے۔قرآن کریم کے عجائبات اور اس کے اسرار ورموز کسی طرح ختم نہیں ہوسکتے اور کوئی انسان قرآن کریم کے اسرار و حکم کی انتہاء تک نہیں پہنچ سکتا۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

''اور یقین جانیے کہ زمین میں جتنے درخت ہیں اگر قلم بن جائیں اور سارے سمندر روشنائی بن جائیں بلکہ سات سمندر اور بھی ہوں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

جامع ترمذی میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد درج ہے کہ:

لَاتَنْقَضِیْ عَجَائِبُہ

''اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے''

امام زرکشی فرماتے ہیں کہ جان لو نعمتیں ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کی تعلیم دی یا اس میں سے کچھ عطا فرمایا ہے۔اسلام کی دعوت کو جاری رکھنے کی وجہ سے یہ سب سے بڑا معجزہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء و مرسلین ہیں۔پس آپ ﷺ نے قرآن عظیم کے ذریعے ہر زمانہ وعصر پر دلیل قائم فرما دی یہ ربّ العالمین کا کلام ہے ۔اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے سب سے افضل ترین کتاب ہے۔

1۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا

تلاوتِ قرآن مجید کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اسے محبت واخلاص اور ذوق وشوق سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔اس سے مطالبِ قرآن تک رسائی کے علاوہ اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوگا۔قرآن مجید کو اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ قرآن کا مقصد تدبر اور تفکر ہے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے تدبر میں مدد ملتی ہے۔

امام زرکشی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور ﷺ سے فرمایا:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا

''اور قرآن کو ہم نے تقسیم کر کے اتارا تا کہ آپ ٹھیرے ٹھیرے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اسے تدریجاً نازل کیا''۔

پس قرآن پڑھنے والے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرے اور بہترین ترتیل سے مراد اس کی تلاوت کو مکمل کرنے کے لیے اس کے الفاظ کو بڑھانا، اس کے حروف کو واضح کرنا اور غور و فکر کے ساتھ اس کو اتنا واضح کرنا یہاں تک کہ اس کے بعد آنے والی ہر چیز سے جوڑ نہ لے اور سانس کے درمیان خاموش رہنا، یہاں تک کہ اس کا سانس اس کی طرف لوٹ جائے۔آپ فرماتے ہیں قاریٔ قرآن کو چاہیے کہ ایک حرف کو دوسرے میں نہیں ملائے کیونکہ اس میں سے سب سے کم یہ ہے کہ اس کی کچھ نیکیاں چھوڑ دی جائیں گی۔لہذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کریں کیونکہ میں نے اسی کو ترتیل کا سب سے کم فرض قرار دیا ہے۔

2۔ انداز تہدید اختیار کرنا

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر انکارِ حق کرنے والوں کے لیے تہدید کا انداز اختیار کیا ہے۔کافر لوگ جن کو طول امل نے غفلت میں ڈال رکھا ہے اور اسی غفلت کی وجہ سے کہیں اللہ کا انکار، کہیں نبوت کا انکار، کہیں کتاب اللہ کا انکار، کہیں فرشتوں کا انکار، کہیں وحی کا انکار اور کہیں روزِ محشر کا انکار ، کہیں ناپ تول میں کمی وغیرہ کرنے والوں کو قرآن مجید نے سخت تہدید کا انداز اپناتے ہوئے گرفت کی ہے مثلاً ارشاد باری ہوا:

يا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ آمِنُوا بِما نَزَّلْنا مُصَدِّقاً لِما مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهاً

''اے کتاب دیے گئے لوگوں! ایمان لے آؤ اس پر جسے ہم نے تصدیق کرنے

والا بنا کر نازل کیا اس کے لیے جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کے کہ ہم چہروں کو مسخ کر ڈالیں"۔

واقعہ افک میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی انداز کو اختیار کیا جس کے بارے میں علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں کہیں بھی تہدید (تنبیہ، سرزنش) کا یہ سخت انداز نہیں ملے گا جو (سورۃ النور) کی آیات کریمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ ان میں تہمت لگانے والوں کو سختی سے متنبہ کیا گیا ہے، ان کو شدید ترین عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور ان کے اس جرم کو بدترین جرم قرار دے کر اس کے مرتکبین کے گلے میں دنیا و آخرت کی لعنت کا طوق ڈالا گیا ہے۔ واقعۂ افک کے اصل کرداروں کو قرآن کریم نے مختلف طریقوں سے نمایاں کیا ہے اور ان کے گناہ عظیم کی شدت بیان کرنے کے لیے کئی اسلوب اختیار کیے ہیں، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں ان کے اس جرم کے خلاف گواہی دیں گے اور اس وقت انہیں وہ سزا دی جائے گی جس کے وہ اہل ہیں۔

امام زرکشی فرماتے ہیں کہ قاریٔ قرآن کو چاہیے کہ قرآن مجید میں جس مقامات پر آیاتِ تہدید نازل ہوئی ہیں قاریٔ قرآن ایسی آیات پر تیزی سے گزر نہ جائے بلکہ اس کو چاہیے کہ تہدید کے انداز میں پڑھے اور جس جس مقام جس جس کام سے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی ہے غور کرے اور توبہ و استغفار کرے۔

3۔ مراقبہ اور محاسبہ کا انداز اختیار کرنا

امام زرکشی قرآن کی تلاوت کے آداب میں ایک اور احتیاط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قاریٔ قرآن کو چاہیے کہ جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کرے تو اس کا دل اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کے معنی کے بارے میں سوچنے میں مشغول رہے تاکہ اسے ہر آیت سے اس کا مطلب معلوم ہو اور اس سے آگے نہ بڑھے جب تک کہ اسے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

پس جب قاریٔ قرآن رحمت کی آیت سے گزرتا ہے تو وہاں وہ اس پر رک جاتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس سے وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کے لیے اس کی رحمت کا سوال کرتا ہے۔ اور اگر وہ عذاب کے بارے میں کوئی آیت پڑھتا ہے تو وہ اس پر رک جاتا ہے اور اس کے معنیٰ پر غور کرتا ہے اگر یہ کافروں کے لیے ہے تو وہ اپنے ایمان کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم صرف اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسے خوف کی جگہ معلوم ہوئی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے آگ سے بچانے کا سوال کیا۔ اگر اسے کوئی ایسی آیت نظر آئے جس میں ایمان والوں کو پکارا گیا ہو تو اس نے کہا کہ اے ایمان والو! تو وہ اس پر رک گیا اور کہے کہ اے میرے ربّ میں تیرے لیے حاضر ہوں اور میں راضی ہوں۔ اگر وہ کسی ایسی آیات سے گزرتا ہے جس میں اگر حکم دیا جائے یا منع کیا جائے تو مانتا جائے کہ قبول ہے۔ اگر معاملہِ ماضی میں اس سے کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے اس وقت اپنے فعل کی معافی مانگنی چاہیے اور اپنے ربّ سے اپنی کوتاہیوں کے لیے استغفار کرنا چاہیے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ

"اے اہل ایمان! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن خدا فراموش انسان اور پتھر ہیں"۔

قاریٔ قرآن کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز اور روزے کے بارے میں اپنے اہل و عیال کے معاملات کو بھی دیکھے اور ان کی طہارت میں جو کچھ ان کے لیے ضروری ہے وہ کرے۔ تاکید ہے کہ ان سے اس کے بارے میں پوچھتے وقت ہوشیار رہو اور ان میں سے جو کوئی اچھا کر رہا ہے تو اس کی تشفی کرے، اگر وہ اچھا نہیں کر رہا تو اس کے لیے تعلیم ہے۔ جس طرح وہ اپنے بچوں کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے جب وہ سات یا آٹھ سال کے ہو جاتے ہیں تو انہیں نماز پڑھاتا ہے، اور جب وہ دس سال کے ہو جاتے ہیں تو اسے چھوڑنے پر مارتا ہے۔

4۔ استغفار، اُمید اور تدبیر کا انداز اپنانا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

"اے ایمان والو! اللہ کے حضور کھری قسم کی توبہ بجالاؤ"۔

امام رزکشی رقم طراز ہوتے ہیں کہ قاریٔ قرآن جب اس طرح کی آیت کو پڑھے گا تو اسے اپنے اندر اپنے اعمال اور اس کے اور دوسروں کے درمیان اپنے گناہوں، غیبت وغیرہ کے گناہ یاد ہوں گے تو فوراً اپنی اس طرح کی خطا کو دور کرے اور ہر اس گناہ کی معافی مانگے جو اس نے اپنے عمل میں کوتاہی کی ہو یا اٹھنے کا ارادہ کیا ہو، اس طرح ہر اس شخص کے لیے ہے جس کے درمیان ان میں سے کوئی شکایت ہو، خواہ وہ موجود ہو یا غیر حاضر ہو، جس سے لیا اسے واپس کرنا ہے۔ اسے قرآن پڑھتے وقت یہ خیال کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ اس نے سنا اور مانا۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اس نے قرآن کی مکمل تلاوت کی ہوگی۔ اگر اسے کوئی ایسی آیت آتی ہے جس کا وہ معنیٰ نہیں جانتا تو اسے اس وقت تک یاد کرتا ہے جب تک کہ وہ کسی جاننے والے سے اس کے معنیٰ نہ پوچھے۔ تاکہ وہ اس کے بارے میں جان لے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے، اگرچہ آیت کے بارے میں اختلاف ہو تو اسے ان باتوں کو ماننا چاہیے جو وہ کم سے کم ہیں اور اگر اس میں موجود باتوں میں سے سب سے زیادہ یقین کر کے اپنے لیے احتیاط کرے کہ یہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور اس کے دین کے معاملے میں زیادہ ہوشیاری۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکم کو قبول کرے گا، اگر وہ پڑھے اور تدبیریں کرے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے پرہیز کرے اور اس سے اجتناب کرے۔ تو یاد رکھے خدا نے مومنوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ امید کی طرف مائل ہو تو یہ اسے خوفزدہ کر دے گا خوف کے ساتھ اور اگر وہ خوف کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ امید کا راستہ دیتا ہے تاکہ یہ اس کا خوف اور امید ہو۔ اعتدال، یہی ایمان کا کمال ہے۔

لہذا امام زرکشی فرماتے ہیں کہ آدمی کا ایمان مکمل ہونے کے لیے دونوں کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید بھی ہونی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہنا چاہیے کیونکہ "ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے" صرف امید ہی امید ہو، خوف اور ڈر نہ ہو، تب بھی آدمی مومن نہیں رہتا اور خوف ہی خوف ہو، امید نہ ہو، تب بھی آدمی کا ایمان باقی نہیں رہتا۔

5۔ محکم و متشابہ پر انداز تلاوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ

"پس وہ لوگ جن کے دلوں میں انحراف ہے وہ پیروی کرتے ہیں ان کی جن کے معنیٰ میں اشتباہ ہو اس سے وہ فتنہ تلاش کرتے ہیں اور

دور از حقیقت معنیٰ ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اللہ کے سوا ان کا حقیقی مفہوم کوئی نہیں جانتا''۔

امام زرکشی کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن مجید میں لوگوں کے لیے تین مقامات ہوتے ہیں:

پہلا: یہ کہ انسان اپنی گفتگو میں، اپنے کلام میں قرآنی صفات لائے اور قرآنی مناجات سے اپنے وجود کو پُر کرے، معرفت قرآنیہ سے اپنی زندگی کو مزین کرے۔ بے شک قرآن کا ہر کلمہ اپنے اسم، اپنے وصف، اپنے حکم، اپنے فعل اور اپنی منشا کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اس لیے کہ کوئی بھی کلام اوصاف کے معانی بیان کرتا ہے اور موصوف پر دلالت کرتا ہے۔ تلاوت قرآن کا یہ مقام مومنوں میں سے ان کو میسر ہوتا ہے جو عارفین ہوتے ہیں اس لیے کہ عارف تلاوت کے وقت اپنی قرآت اور اپنے وجود پر نگاہ نہیں رکھتا بلکہ وہ کلام خداوندی کی تجلیات کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق (علیہ السلام) نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنی تجلی اپنے کلام کے ذریعے ڈالی ہے جب کہ لوگوں (میں سے ہر ایک) ان تجلیات کو دیکھ نہیں پاتا''۔

شیخ ابوعبداللہ قریشی نے کہا:

''اگر دل پاک ہو جائیں تو تلاوت قرآن سے کبھی سیر ہی نہیں ہوں گے''۔

دوسرا: یہ کہ قاری اپنے دل کو حاضر رکھے اپنے تصور کے ساتھ گویا کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص مہربانیوں اور نوازشات کے ساتھ اس سے باتیں کر رہا ہے اس سے کلام کر رہا ہے اور اسے اپنے انعامات و احسانات کے ساتھ خوش کر رہا ہے اور یہ مقام انتہائی حیا اور تعظیم کا ہے اور یہ مقربین کا نصیب ہے۔

تیسرا: درجہ یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرے کہ وہ اپنے ربّ سے مناجات کر رہا ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ سے خوب مانگنے اور اپنی حاجات طلب کرنے کا ہے اور یہ اصحاب الیمین کا مقدر ہے۔ اگر بندہ مومن اللہ کے راز (کلام) کو سنتا ہے، اس کی صفات اور معانی پر دل سے گواہی دیتا ہے، اپنی عقل اور محدود علم کو ترک کرتا ہے، اپنے اردگرد کے لوگوں سے انکار کرتا ہے اور اللہ کی طاقت پر ایمان رکھتا ہے اور اس کلام کی عزت کرتا ہے، اپنے آپ کو سمجھنے کے لیے وقف کرتا ہے، ایک سیدھی حالت میں، دل اور یقین کی پاکیزگی کے ساتھ، علم اور سماعت کی طاقت کے ساتھ، یہ خطاب شاہد اور غائب کو ہے۔ یہ سبب ہوگا اس کلام کے پوشیدہ راز کھولنے کے لیے۔

قرآن مجید کا ہر کلمہ دس جہات سے متعلق ہے عارف کے لیے ہر ایک جہت میں جلوے اور مقامات پوشیدہ ہیں، پہلا یہ اس کلمہ پر ایمان پختہ کرے، تسلیم کی خو اپنے اندر اس کلمہ کے بارے میں پیدا کرے، توبہ سے اس کی طرف رجوع کرے، اسی طرح ہر کلمہ قرآنی سے صبر، رضا، خوف، اُمید، شکر، محبت اور توکل جیسی صفات میسر آتی ہیں۔

یہ دس متقین کے مقامات ہیں ان باتوں کو اہل علم اور دلوں کی زندگی کے حامل انسان ہی سمجھ پاتے ہیں اس لیے کہ محبوب کا کلام دلوں کی زندگی ہوتا ہے، قرآن مجید سے اس کے دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے اور دل کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور دل کی زندگی اسی کو میسر آتی ہے جو قرآنی احکام پر عمل کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین کی آیت لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا میں فرمایا ہے:

''تاکہ وہ خبردار کرے اسے جو زندہ ہو''۔

اسی طرح سورۂ انفال کی آیت میں فرمایا:

وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

''(محبوب) کی دعوت میں تمہاری زندگی مضمر ہے''۔

امام زرکشی فرماتے ہیں کہ جو انسان ان مقامات کو سمجھ نہ لے یا گواہی نہ دے سکتا ہو ان مقامات کے بارے میں جو سورۂ احزاب میں نازل ہوئے ہیں۔ ان میں سے پہلا مقام مسلمان کا ہے اسلام قبول کرنے والے کا ہے۔ آخری مقام ذاکرین ہے، ذکر کے بعد دس مقامات کو اپنے اندر ڈال لینے کے بعد بندے کی جو حالت بنتی ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ نے مناجات کرنے میں ڈرتا نہیں ہے کیونکہ اس کے اندر صفائی آجاتی ہے، وہ جان لیتا ہے کہ کن صفات الٰہیہ کی وجہ سے میرے باطن کو روشنی ملی ہے، علم کا چشمہ پھوٹا ہے۔ امام فرماتے ہیں انسان کے لیے یہ وہ دس چابیاں ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات بندہ مومن کے اندر آتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ حروف کے پردہ کے ساتھ اپنا کلام نہ چھپاتا تو سننے والے کے لیے اس کلام کی عظمت اور بلندی کا اندازہ نہ ہوتا۔ سمجھ صرف اسی کو آئے گی جس کے باطن کی صفائی ہوگی ان صفات کی وجہ سے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ اس کلام کو سمجھنا ممکن نہ ہوتا مگر جتنا فہم اللہ نے جس کو دیا۔ اللہ نے ہر کسی کو اپنی حکمت کی وجہ سے سوچ سمجھ عطا فرمائی ہوئی ہے۔

بعض علماء نے کہا: قرآن میں وسیع میدان اور باغات ہیں، محلات اور سجی ہوئی چیزیں ہیں، دلکش ملبوسات اور جنتی باغات ہیں، پس اس قرآن میں جو ''میم'' ہیں وہ قرآن کے میدان ہیں، جو قرآن کے ''را'' ہیں وہ قرآن کے باغات ہیں، جو قرآن کی ''حا'' ہیں وہ قرآن کی محلات ہیں، جو قرآن کی تسبیحات ہیں وہ قرآن کی سجی ہوئی چیزیں ہیں، جو قرآن میں ''حم'' ہیں وہ قرآن کے ریشمی لباس ہیں، جو قرآن کے مفصل ہیں وہ قرآن کے جنتی باغات ہیں۔

پس جب بامراد شخص قرآن کے باغ میں داخل ہوا اس نے باغات میں سے پھول چنے اور وہ قرآن کے محلات میں داخل ہوا اور اس نے مشاہدہ کیا اس کی سجاوٹ کا اور پہنے اس نے قرآن کے ریشمی لباس اور باغات میں داخل ہوا تو اس نے (دنیاوی) ہر چیز کو چھوڑ کر یہاں پر اپنی نظریں جمالیں اور اپنے مشاہدہ میں مگن ہو کہ غیر کو چھوڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کو جانو اور اس کی عجیب و غریب چیزوں کو تلاش کرو، اس کے فرائض اور اس کی حدود کو تلاش کرو، کیونکہ قرآن پانچ چیزوں پر نازل ہوا ہے: حلال، حرام، محکم، امثال، متشابہ۔ پس اس کے حلال کو لے لو، جو حرام ہے اسے چھوڑو، اس کے محکمات پر عمل کرو، اس کے متشابہ پر عمل کرو اور اس کی امثال سے عبرت پکڑو''۔

اور کہا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہ انسان اس وقت تک سمجھ دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ قرآن مجید کو اپنے روبرو نہ کرے اپنا آئینہ نہ بنائے۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے اولین اور آخرین کا علم حاصل کرے اس کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کی غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرے''۔

اسی طرح ابن سبع نے کہا: ''قرآن مجید سینوں کے لیے شفا ہے۔ اسی طرح ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ظاہری تفسیر سے نہیں حاصل کیا۔ ظاہری تفسیر سے سینوں کی شفا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کو اپنے قلب و اذہان میں نہ اتارے۔

استفادہ: تفسیر تبصرہ، البرھان فی علوم القرآن، الاتقان فی علوم القرآن